قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۳ شمارہ: ۴
ربیع الثانی: ۱۴۴۱ھ - دسمبر: ۲۰۱۹ء
قیمت فی شمارہ: ۴۰ روپے ، زرِ سالانہ: ۴۵۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول
مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر

نائب مدیر
مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ ’’بینات‘‘ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465
فون دفتر ’’بینات‘‘: 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر
اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک
ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: 27 امریکی ڈالر
بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147
فیکس: 92-21-34919531 +
Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk
ناشر: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر **مطبع:** ایجوکیشنل پریس **طابع:** فیروز زکی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

آزادی مارچ...تحریکِ آزادی کا تسلسل!	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

مملکتِ پاکستان اور مسلمانوں کا فریضہ	۱۳	محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ
سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ	۱۶	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض بشری تقاضے اور خصائص	۱۹	مولانا محمد الیاس بالاکوٹی
شرعی عائلی احکام کی دفعہ بندی: قانونِ رضاعت (قسط:۹)	۲۶	مفتی شعیب عالم
رموزِ محدثین کا تعارف!	۳۳	مفتی ابوالخیر عارف محمود
مرابحہ مؤجّلہ ....ارتقائی، واقعاتی اور تجزیاتی مطالعہ (قسط:۱)	۴۰	مولوی فضل الرحمٰن
مسلم عائلی قوانین...یتیم پوتے وغیرہ کی میراث (قسط:۴)	۴۴	ڈاکٹر مولانا انعام اللہ

یادِ رفتگان

استاذ دارالعلوم دیوبند حضرت علامہ محمد جمال بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ	۴۹	ڈاکٹر مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی

دار الافتاء

صحابیؓ کی تعریف	۵۱	ادارہ

نقد و نظر

	۶۳	ادارہ

آزادی مارچ... تحریکِ آزادی کا تسلسل!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلامٌ علٰی عبادہٖ الذین اصطفٰی

برصغیر پر جب انگریز نے تسلُّط جمالیا تو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کو انگریزوں سے آزاد کرانے کے لیے انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا، آپ کے مرید سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید رحمہما اللہ نے اس فتوے کی روشنی میں علمِ جہاد بلند کیا اور بالاکوٹ کے مقام پر دونوں نے شہادت پائی۔ اس کے بعد ۱۸۵۷ء میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہم نے استخلاصِ وطن کے لیے انگریز کے خلاف جہاد کیا۔ اس کے بعد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رُفقائے کار نے تحریکِ ریشمی رومال چلائی، جس کے نتیجے میں ہندوستان، پاکستان کے علاوہ مشرقِ وسطیٰ کے کئی اور ممالک کو بھی آزادی میسر آئی۔

تمام باشعور لوگ جانتے ہیں کہ پاکستان دوقومی نظریہ کے تحت وجود میں آیا اور پاکستان کی بنیاد مبیَّنہ اسلامی نظریہ پر رکھی گئی، بانیانِ پاکستان نے اسی نظریہ کے تحت تحریکِ پاکستان چلائی، لیکن ۷۲ سال گزرنے کے باوجود عملاً اسلام کو یہاں نافذ نہیں کیا گیا، بلکہ ملک چلانے والوں نے بڑی عیاری ومکاری اور دسیسہ کاری سے اس ملک کو سیکولر اور لادین ریاست باور کرانے کی راہیں اور جہتیں ڈھونڈنے اور تلاش کرنے میں اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کرتے رہے، جس کے نتیجے میں نہ ہمارے ملک میں اسلامی نظام نافذ ہوا اور نہ ہی قوم کو صحیح معنی میں آزادی کا کوئی ثمرہ ملا، بلکہ اب ہمارا

ملک صرف اس کام کے لیے رہ گیا ہے کہ باہر سے کوئی حکم آئے اور ہمارے حکمران ومقتدر قوتیں اسے پاکستانی قوم پر نافذ کردیں اور بیرونی قوتوں کے اشاروں اور ان کے مہروں کے ذریعہ یہاں حکومتیں بننے لگیں اور عہدے ملنے لگے۔ اس لحاظ سے پورا ملک اور پوری قوم استعمار کے ہاتھوں یرغمال نظر آنے لگی اور آزادی کے ثمرات کو ترسنے لگی۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ ۲۵ جولائی ۲۰۱۸ء کو پاکستان میں پورے ملک میں فوج کی نگرانی میں بظاہر قومی وصوبائی الیکشن ہوئے۔ متحدہ اپوزیشن نے متفقہ طور پر انتخابات کو دھاندلی زدہ قرار دیا، جس کی وجہ سے جمعیت علمائے اسلام نے متحدہ اپوزیشن کو رائے دی کہ قومی اور صوبائی اسمبلی میں حلف نہ اُٹھائے جائیں، بلکہ مقتدر قوتوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ دوبارہ صاف شفاف الیکشن کرائیں، لیکن دوسری سیاسی جماعتوں کے کہنے پر ان کو اپنا موقف واپس لینا پڑا، لیکن جمعیت اپوزیشن کا یہ بیانیہ لے کر کہ انتخابات میں سخت ترین دھاندلی ہوئی ہے عوام میں چلی گئی، ادھر انتخابات کے نتیجے میں بننے والی حکومت نے کئی ایسے اقدامات کیے کہ جن سے واضح لگتا تھا کہ یہ اقدامات آئینِ پاکستان کی خلاف ورزی، ملکی وحدت وسالمیت اور پاکستان کی آزادی وخودمختاری کے منافی ہیں، مثلاً:

اس حکومت کے آتے ہی قادیانیوں کا پورے ملک میں فعال ہونا، اور میاں عاطف قادیانی اور اس کی قادیانی ٹیم کو اقتصادی کونسل کا رکن بنانے کی کوشش کرنا، آسیہ ملعونہ جس کو دوعدالتوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وگستاخی کی بنا پر ملکی قانون کے تحت سزائے موت سنائی تھی، سپریم کورٹ سے اس کو آزاد کراکر باعزت طور پر باہر بھجوانا، اور امریکہ میں جاکر جناب وزیراعظم کا یہ کہنا کہ باوجود مذہبی طبقہ کی مخالفت کے میں نے آسیہ کو رہائی دلوائی۔ قومی اسمبلی میں تحریک انصاف کی ایک رکن قومی اسمبلی کا برملا اسرائیل کو تسلیم کرنے کی بات کرنا۔ اسرائیل کے طیارہ کا کسی خفیہ مشن پر اسلام آباد آنا اور دس گھنٹے تک یہاں رُکا رہنا۔ تحریکِ انصاف کی حکومت کا سینیٹ میں یہ قانون لانا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے مدعی کا اپنے دعوے کو ثابت کرنا ضروری ہوگا، اگر ثابت نہ کرسکا تو اس کو سزائے موت ہوگی۔ ایران میں جاکر وزیراعظم کا یہ کہنا کہ پاکستانی زمین ایران میں دہشت گردی کے لیے استعمال ہورہی ہے۔ امریکہ میں جاکر یہ کہنا کہ اُسامہ بن لادن کے ٹھکانے کی اطلاع ہماری ایجنسی کے ایک ادارے نے دی اور یہ کہنا کہ القاعدہ کو ٹریننگ بھی ہماری ایجنسیوں نے دی۔ انسدادِ تجاوزات (اینٹی اینکروچمنٹ) کے نام پر لوگوں کے گھروں اور دکانوں کو توڑنا، لاکھوں لوگوں کو نوکریوں سے بے دخل کرنا، گیس، بجلی، پیٹرول کو مہنگا کرنا، روپے کی قدر میں کمی اور ڈالر کو اونچی اُڑان دینا۔ ہر ملک میں جاکر یہ کہنا کہ ہمارے ملک میں کرپشن ہے، ہمارے ادارے اور حکمران کرپٹ رہے ہیں، جس کی وجہ سے بیرونی سرمایہ کاری کا رُکنا۔ کے پی کے حکومت کے محکمۂ تعلیم کا دینیات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدۂ ختم نبوت کے متعلق مضامین کو تبدیل کرنا۔ اسکول وکالج کی لڑکیوں کے لیے پردہ اور حجاب پر والدین کے اصرار کے باوجود پابندی لگانا۔ قادیانیوں

کے سربراہ مرزا مسرور کا ایک سوال کے جواب میں یہ کہنا کہ: ہم پاکستان جاسکیں یا نہ جاسکیں، لیکن اتنا ضرور کہتا ہوں کہ پاکستان کا آئین ضرور بدلے گا، ان کا اس طرح آئینِ پاکستان کی تبدیلی کا طمع کرنا اور اُمید لگانا۔ آخر کیوں؟!

یہ سب وہ اقدامات اور بیانات ہیں جن کی بنا پر اپوزیشن کی نو جماعتوں نے تحریک چلانے کے لیے ایک رہبر کمیٹی بنائی، جس نے مقتدر حلقوں اور حکومت کے سامنے چار مطالبات رکھے:

۱:...وزیر اعظم جناب عمران احمد خان کا استعفیٰ، ۲:...صاف شفاف الیکشن کا انعقاد، ۳:...فوج کی کسی قسم کی مداخلت کے بغیر الیکشن، ۴:... پاکستان کے آئین کی حفاظت کی ضمانت۔ اور ان مطالبات کو لے کر جمعیت علمائے اسلام اور ان کے قائد حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم نے ملک کے طول وعرض میں پندرہ پرامن ملین مارچ کرنے کے بعد ۲۷ اکتوبر کو کراچی میں کشمیری عوام کے ساتھ یکجہتی کے لیے یومِ سیاہ منانے کے ساتھ آزادی مارچ کو شروع کیا، جو ۳۱ تاریخ کو رات گئے تک اسلام آباد پہنچا اور تیرہ دن تک وہاں رہا۔ یہ آزادی مارچ اتنا پُرامن اور منظّم تھا کہ جس کی امن پسندی اور ملکی قانون کی پاسداری کی تعریف ملکی اور غیرملکی میڈیا سب نے کی۔ اس آزادی مارچ سے جمعیت علمائے اسلام، سیاسی جماعتوں، تاجر برادری، ڈاکٹر حضرات، غریب عوام اور پاکستان وبیرونِ پاکستان رہنے والے مسلمانوں کو کیا فوائد حاصل ہوئے اس کی فہرست طویل ہے، لیکن چند فوائد یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱:- اس آزادی مارچ کے ذریعے دینی اقدار اور دینی تہذیب کا اصل چہرہ دنیا بھر کے سامنے آیا، اس لیے کہ جنرل پرویز مشرف کے دورِ حکومت سے اب تک دینی اور مذہبی طبقے کا جس طرح استحصال کیا گیا، اس کی مثال پاکستانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ہر ریاستی پالیسی میں مذہبی طبقے کو نشانہ پر رکھا گیا، آپریشن ہو یا کوئی پلان، پیغام ہو یا کوئی بیانیہ، شامت مذہبی طبقے ہی کی آتی تھی۔ تمام تر میڈیا' علماء، طلبہ اور دینی مدارس کی کردارکشی کرنے کو اپنی سعادت اور کمال سمجھتے تھے۔ مذہب کو دہشت گردی، قدامت پسندی اور تاریک خیالی سے جوڑا گیا۔ حکومتی وزراء ہوں یا ادنیٰ درجہ کے حکومتی اہلکار ہر ایک مذہبی طبقے کے لیے سوتیلی ماں کا کردار ادا کرتا نظر آیا۔ دینی طبقے کی غلط تصویر اور غلط چہرہ دنیا بھر کے سامنے پیش کیا گیا، جس سے بیرونی دنیا کی عوام' شعوری یا لاشعوری طور پر یہ سمجھنے لگی تھی کہ دینی لوگ متشدد، جنونی، انتہا پسند، فسادی، امن کے دشمن اور انسانی حقوق کے شعور سے عاری اور لاعلم ہوتے ہیں، داڑھی اور پگڑی، حجاب اور پردہ پر طرح طرح کے اعتراضات اور طعن وتشنیع کیا جاتا تھا، جس کو اس تحریک انصاف پارٹی نے تو اور زیادہ بڑھاوا دیا، حتیٰ کہ ۲۰۱۴ء کے دھرنے میں تو مشرقی تہذیب کا بالکل جنازہ نکال دیا گیا اور اسلامی جمہوریہ پاکستان میں یہاں تک بھی آوازیں سنی گئیں کہ ''میرا جسم میری مرضی'' اور پتا نہیں کیا کچھ خرافات اور واہیات قسم کے نعرے لگائے گئے۔ ایک وفاقی وزیر نے تو ایک تقریب

میں دورانِ بیان یہاں تک ہرزہ سرائی کی کہ: ’’مستقبل کا سفر نوجوانوں نے خود کرنا ہے، مولویوں نے نہیں۔‘‘ حالانکہ ہمارا پیارا ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے، اس کا آئین اسلامی ہے، اس ملک کا مذہب اسلام ہے۔ قرآن وسنت اس کا سپریم لاء ہے۔ کوئی قانون اسلامی تعلیمات کے خلاف نہیں بن سکتا۔ اگر وفاقی وزیر کی یہ ہرزہ سرائی مان لی جائے تو اسلام، قرآن اور حضور اکرم ﷺ کی سنت کے بارے میں آگاہی کیا یہودی، عیسائی یا پاکستان کے گویّے اور سنگر دیا کریں گے؟

اس آزادی مارچ کے ذریعے دنیا بھر کی عوام اور میڈیا پر یہ واضح ہوگیا کہ دینی لوگ تو سب سے زیادہ امن پسند، انسانی حقوق کے پاسدار، عورتوں کی عزت اور آزادی کے علم بردار، ملکی قوانین کا سب سے زیادہ احترام کرنے والے، آئینِ پاکستان کے وفادار اور پاکستان کے حقیقی محافظ لوگ ہیں۔

۲:- اسی طرح جمعیت علمائے اسلام پر کیا جانے والا یہ پروپیگنڈہ بھی اپنی موت آپ مرگیا کہ ان کے ساتھ صرف مدرسوں کے طلبہ ہیں، جب کہ پوری دنیا نے دیکھا کہ پورے ملک میں تمام مدارس میں تعلیم جاری رہی اور مدارس کے طلبہ واساتذہ تعلیم وتعلم میں مصروف رہے۔ اس آزادی مارچ سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ جمعیت علمائے اسلام ملکی سطح کی جماعت ہے اور پاکستان کا ہر طبقہ اس کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔ دینی وملکی مسائل پر جمعیت کا متوازن اُصولی موقف ہر محبِّ وطن کو بھاتا ہے اور جمعیت کو اپنی پریشانیوں اور مسائل کا نجات دہندہ تصور کرتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جمعیت علمائے اسلام، اس کی تنظیم انصار الاسلام اور دینی طبقہ پُرامن، منظّم اور نظم وضبط کے حامل لوگ ہیں، جس کا مظاہرہ اور نظارہ پوری دنیا نے دیکھا کہ کراچی سے اسلام آباد تک پانچ دن پر محیط روڈ کا سفر بڑے امن اور اطمینان کے ساتھ کیا گیا، نہ روڈ پر چلنے والی گاڑیوں کو پریشانی، نہ ایمبولینس کے سامنے کوئی رکاوٹ، نہ کوئی دکان کا شیشہ ٹوٹا اور نہ ہی کسی گاڑی پر پتھراؤ ہوا۔ اسی طرح اس آزادی مارچ کی وجہ سے ملک بھر میں جمعیت کے ووٹ بینک میں اضافہ، اداروں کی آزادی، الیکشن میں فوج کی عدمِ شرکت کا وعدہ، آئین کے تقاضوں کی پاسداری، سول بالادستی کی تحریک کو تقویت، خوف اور جمود کی کیفیت کا خاتمہ اور اس بات کا اظہار کہ پرامن احتجاج صرف اہلِ مذہب ہی کرسکتے ہیں اور پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ایسا احتجاج ہوا جو پرامن اور حکومتی املاک کو نقصان پہنچائے بغیر مکمل ہوا۔

۳:- دینی مدارس کا تحفظ...... ایک عرصہ سے دینی مدارس، اس کے طلبہ، اساتذہ اور اس کا نظام ونصاب بیرونی دنیا کے اشاروں پر ہماری حکومتی ایجنسیوں کے نشانے پر تھا، کبھی ان کی فنڈنگ پر بحث، کبھی ان کی رجسٹریشن میں رکاوٹ، کبھی ان کے نصاب اور ان کے نظام میں خامیاں، کبھی ان کو قومی دھارے میں شامل کرنے کے دعوے اور بہلاوے سمیت کون سا وار ایسا نہیں ہے جو اُن پر نہ آزمایا گیا ہو؟ لیکن ان شاء اللہ! اس آزادی مارچ کے ذریعے یہ سب سب وشتم اور ظلم وجور کی دیواریں دھڑام سے زمین بوس ہوجائیں گی۔

۴:- اس آزادی مارچ کے ذریعے آئینِ پاکستان خصوصاً حضور اکرم ﷺ کے عقیدۂ ختمِ نبوت اور ناموسِ رسالت کے قانون کا تحفظ ہوگیا، اب سالوں تک ان شاء اللہ! آئینِ پاکستان کی ان شقوں کو کوئی چھیڑنے کی جرأت نہیں کرسکے گا۔

۵:- اس آزادی مارچ سے سب سے زیادہ تکلیف اور پریشانی دو طبقوں اور دو حلقوں کو ہوئی ہے: ایک قادیانی اور دوسرا اُن کا پشت پناہ اسرائیل، اس لیے کہ تحریکِ انصاف کے برسرِ اقتدار آنے سے قادیانیوں کو بہت زیادہ توقعات اور اُمیدیں وابستہ ہوگئی تھیں، جن کی بنا پر وہ بہت زیادہ دندناتے پھرتے تھے کہ اب آئین تبدیل ہوگا اور ہمیں غیر مسلم اقلیت سے ہمارے لے پالک نکال لیں گے، لیکن ''بسا آرزو کہ خاک شدہ'' کے مصداق ان کی یہ اُمیدیں خاک میں مل گئی ہیں اور آئندہ کسی کو ہمت نہیں ہوگی کہ وہ آئین میں ان قادیانیوں کے حق میں کوئی ترامیم کراسکے۔ اسی طرح اسرائیل جن کی چالیس سالہ انویسٹمنٹ اور فنڈنگ پر پانی پھر گیا ہے، اس لیے کہ انہوں نے اپنے تئیں یہ طے کر رکھا تھا کہ ۲۰۲۰ء میں اسرائیل کا تسلُّط اپنے ان حواری قادیانیوں کے ذریعے جنوبی ایشیا خصوصاً پاکستان پر ہوجائے گا، اس لیے یہ دونوں طبقے سب سے زیادہ پریشان ہیں۔

۶:- اس آزادی مارچ کے ذریعے تاجروں کو کچھ وقت کے لیے سکون کا سانس نصیب ہوا، اس لیے کہ وہ گوورنمنٹ جو تاجروں کی کسی بات پر کان دھرنے کے لیے تیار نہ تھی، یکایک ان کے ساتھ مذاکرات کے لیے تیار ہوگئی، یہ آزادی مارچ کا ثمرہ نہیں تو اور کیا ہے؟!

۷:- کے پی کے صوبہ کے وہ ڈاکٹر حضرات جو اپنے مطالبات کے حق میں احتجاج کر رہے تھے، جن پر پولیس کے ذریعے تشدُّد کیا گیا، ان پر مقدمات بنائے گئے، ان کو جیلوں میں ڈالا گیا، اس آزادی مارچ کے ذریعے ان کو ریلیف ملا، ان سے مقدمات ہٹائے گئے اور تھانوں وجیلوں سے ان کو رہائی نصیب ہوئی۔

بہرحال پرامن آزادی مارچ ۱۳ دن تک اسلام آباد میں رہا، جس نے نظم وتہذیب، امن وامان، گفتار کی شائستگی یا دلیل کی قوت کا لوہا منوایا ہے۔ اسی طرح حسنِ اخلاق اور عورتوں کی عزت وتوقیر کے حوالہ سے عالمی سطح پر ممتاز اور نمایاں مقام حاصل کرچکا ہے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے اس آزادی مارچ کے ذریعے عملاً یہ ثابت کردیا کہ مارچ اور دھرنے' ڈانس، مخلوط ناچ گانوں اور ڈھول ڈھمکوں کے بغیر بھی کامیاب بنائے جاسکتے ہیں، حکومت کے خلاف دیئے جانے والے دھرنوں میں تہذیب وشرافت اور انسانی حقوق کی پاسداری کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ بی بی سی رپورٹ کے مطابق جمعۃ المبارک کی نماز ۷ا لاکھ ۶۰ ہزار سے زائد انسانوں نے اس آزادی مارچ کے پنڈال میں ادا کی، اس لاکھوں انسانوں کے احتجاج کو اعتدال کی راہ پر رکھنا یہ جمعیت علمائے اسلام اور انصار الاسلام کا انوکھا اور عظیم کارنامہ ہے۔

اسلام آباد کی سرزمین نے یہ عجیب منظر بھی دیکھا کہ یہاں آئے ہوئے لوگ اگرچہ آئے تو آزادی مارچ کے نام پر ہیں، سفید ریش بزرگ ہوں یا سیاہ ڈاڑھیوں والے نوجوان، کالج یونیورسٹی کے طلبہ ہوں یا سادہ لوح غریب عوام سب نمازیں بھی پڑھ رہے، قرآن کریم کی تلاوت بھی ہورہی ہے، ذکرواذکار کے حلقے بھی لگے ہوئے ہیں، تہجد بھی ادا ہورہی ہے اور دن رات اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور مناجات کے ذریعے سب کے سب نصرتِ خداوندی کے طلب گار بھی نظر آتے ہیں، اور جذبہ اتنا جوان کہ اپنی مدد آپ کے تحت سب مصارف برداشت کرنے اور اسلام آباد جیسی سخت سردی اور بارش کے باوجود کہہ رہے تھے کہ اگر ہمیں ایک مہینہ کیا ایک سال کا بھی حکم ہوگا تو ہم یہیں رہیں گے۔

مولانا نے اپنے تدبر، تفکر، حکمت، بصیرت اور جرأتِ رندانہ کے زور پر پاکستان کی تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کو ایک کاز اور ایک ہی کنٹینر پر لا کھڑا کیا۔ جمہوری تاریخ میں اس قدر کامیابی شاید ہی کسی اور سیاسی لیڈر کے حصہ میں آئی ہو۔ مولانا نے اس آزادی مارچ کے ذریعے سماجی اقدار کو فتح کیا۔ تمدُّنی روایات کو زندہ کیا، اسلامی طرزِ حیات کے نمونے دکھلائے، سیاسیات کو سنجیدگی، وقار، متانت اور شائستگی سے مالا مال کیا، پاکستانی سیاست جسے مغربی گند سے بھر دیا گیا تھا، اسے مولانا نے نکھار کر سرخرو کیا۔ عدمِ تشدد اور پُرامن لاکھوں کے مجمع کے سامنے حکمت و مصلحت کا ایسا بند باندھا کہ ایک جذباتی لہر بھی کنارہ کراس نہ کرسکی۔ ڈاڑھی، پگڑی اور ٹوپی کا مان بڑھایا، کرتا اور رومال کی شان اونچی کی۔ مذہبی طبقے کی حقیقی تصویر ساری دنیا سے منوائی۔ مجبور قوم کو زبان دی، قوم کو جرأت کا سلیقہ دیا۔ پسے اور دبے ہوئے افراد کی ترجمانی کی، اسلامی اقدار کو اُجاگر کیا۔ تہذیبِ اسلام کی آفاقیت تسلیم کرائی، قوم کا شعور بیدار کیا۔ اسی بنا پر ہماری جامعہ کے رئیس اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر، اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم العالیہ نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو تہنیتی خط لکھا، جو درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم ومکرم حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پاکستانی قوم کی مشکلات، مصائب وآلام اور کرب واذیت کے ازالہ، آئینِ پاکستان کی حفاظت، خصوصاً ناموسِ رسالت اور ختمِ نبوت کے قانون کے تحفظ کے لیے آپ نے جو علمِ جہاد بلند کیا ہے، میں اس پُرامن تحریک اور کامیاب آزادی مارچ پر اپنی جماعت عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کی جانب سے آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اور اس آزادی مارچ میں شریک جماعتوں، افراد اور تمام کارکنان کی حفاظت فرمائے اور آپ سب حضرات کو تمام مقاصدِ عالیہ میں سرخروئی اور کامیابی عطا فرمائے۔

اس آزادی مارچ میں میرا شرکت کا ارادہ تو تھا، لیکن مرض کی شدت اور ڈاکٹر حضرات کی جانب سے سفر کی ممانعت کی بنا پر شرکت سے معذور ہوں۔ اُمید ہے میری صحت کے لیے آپ دعا فرمائیں گے۔

والسلام

(مولانا ڈاکٹر) عبدالرزاق اسکندر

امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت

۴؍ربیع الاول ۱۴۴۱ھ مطابق ۲؍نومبر ۲۰۱۹ء

اس لیے راقم الحروف ضروری سمجھتا ہے کہ ہمارے علمائے کرام خواہ مدارس سے وابستہ ہوں یا کسی مسجد کے خطیب، تبلیغی جماعت سے منسلک ہوں یا کسی اور دینی شعبہ سے جڑے ہوئے، ہر ایک اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے ساتھ ساتھ جمعیت علمائے اسلام یا کسی اور دینی سیاسی جماعت سے ضرور تعلق جوڑے اور الیکشن کے وقت صرف اور صرف دینی اور مذہبی ذہن رکھنے والی جماعت کو ہی ہر طریقے پر سپورٹ اور معاونت کرے، تاکہ دینی طبقہ ہی اس ملک کی باگ ڈور سنبھال کر اس ملک اور قوم کو مشکلات سے نکال سکے۔ دینی لوگ اپنی اپنی جگہ اور اپنی اپنی سطح پر کتنا ہی دین کا کام کیوں نہ کر رہے ہوں جب تک قانون ساز اور قانون نافذ کرنے والے اداروں میں دینی لوگوں کی بھرپور نمائندگی اور شمولیت نہیں ہوگی، اس وقت تک قوم کی حفاظت، ملک کی خدمت، دین کی تبلیغ، دین کا نفاذ اور دینی طبقہ پر کیے جانے والے ہر طرح کے حملوں کا مؤثر جواب نہیں دیا جا سکتا، جیسا کہ بنگلہ دیش کی مثال ہمارے سامنے ہے، وہاں علماء کی کثرت کے باوجود وہ اپنی بات حکومت سے منوانے، دینی اقدار، اور اسلامی تہذیب کو ملکی شناخت دلانے کی پوزیشن میں نہیں۔ اس لیے ہمیں اس پہلو پر سوچنے اور عمل کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

....

ہمارے ملک کے معروف صحافی اور سینئر تجزیہ نگار جناب اوریا مقبول جان صاحب نے ۶ نومبر ۲۰۱۹ء کو روزنامہ ۹۲ نیوز میں ایک کالم ’’کرتارپورہ راہداری اور مذہبی سیاست گری‘‘ کے عنوان سے لکھا، جس کے پڑھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ موصوف کا یہ پورا کالم صرف مذہبی طبقے کو گالیاں دینے اور جناب عمران خان نیازی کی صفائی دینے پر موقوف ہے، اس کے علاوہ اس کا کوئی مقصد نہیں۔

موصوف لکھتے ہیں: ’’جب سے کرتارپورہ راہداری کھول کر سکھوں کے مقدس ترین مقام کو راستہ دینے کا اعلان ہوا ہے، ہمارے مذہبی، مسلکی، جمہوری اور سیاسی راہنماؤں نے اسے درپردہ قادیانیوں کو سہولت دینے کی سازش قرار دیا ہے۔ پھر انہوں نے لکھا کہ: کرتارپورہ لاہور سے ۱۴۵ کلومیٹر ہے، ربوہ سے لاہور ۱۷۰ کلومیٹر اور لاہور سے قادیان براستہ امرتسر ۱۰۲ کلومیٹر، یہ کل آٹھ گھنٹوں کا سفر ہے۔ اب قادیانیوں اور حکومت کی ملی بھگت سے قادیانی پہلے ربوہ سے ۱۷۰ کلومیٹر سفر کر کے لاہور، پھر یہ بے وقوف

۱۰۲کلومیٹر صاف ستھری سڑک کا راستہ چھوڑ کر ۱۴۵کلومیٹر صاف شفاف روڈ چھوڑ کر ۱۴۵کلومیٹر ٹوٹی پھوٹی روڈ کرتار پور جائیں گے اور پھر وہاں سے ۴۴کلومیٹر مزید فاصلہ طے کرکے ایک اور بوسیدہ سڑک پر سفر کرکے قادیان پہنچیں گے، یعنی سفر کی اذیت کے علاوہ چار گھنٹے مزید سفر بھی کریں گے، لیکن کمال ہے اس عصبیت اور منافقت کا جو عمران خان کی دشمنی میں ہمارے مذہبی طبقے کو بھی جھوٹا پروپیگنڈا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں: ایسے میں اگر ایک سلیم الفطرت قادیانی بچہ بھی دین کی طرف مائل ہونے سے رُک گیا تو اس کا گناہ ان تمام مذہبی لوگوں پر ہوگا جو جھوٹ کو سیاست کے لیے استعمال کرتے ہیں۔‘‘

میرے محترم! کرتارپورہ راہداری کھولنے کو ہمارے مذہبی، مسلکی، جمہوری اور سیاسی راہنماؤں نے درپردہ قادیانیوں کو سہولت دینے کی سازش یوں ہی قرار نہیں دیا، اس راہداری کو کھولنے کا مطلب صرف یہاں سے گزرنا ہی نہیں، بلکہ مستقبل میں سکھ اور قادیانی گٹھ جوڑ سے ہمارے ملک پاکستان کے خلاف ایک بڑی سوچی سمجھی سازش تیار کی جارہی ہے، جس کا ذکر آج سے پچاس سال قبل مرحوم شورش کاشمیریؒ نے اپنی کتاب عجمی اسرائیل اور تحریک ختم نبوت میں کردیا تھا۔

۲:- آپ نے جو حساب وکتاب لگایا ہے اور واہگہ بارڈر کی طرف سے راستہ کا کم ہونا، آرام دہ ہونا اور کرتارپورہ راستے کا زیادہ ہونا اور روڈ کا ٹوٹا ہوا ہونا بتایا ہے، یہ خود سوچیں کہ یہ کتنا کمزور اور بےوزن دلیل ہے۔ بات یہ ہے کہ جب قادیانیوں کو بتایا جائے گا کہ ہمارے مرزا غلام احمد قادیانی متحدہ ہندوستان کے وقت آنے جانے میں یہی راستہ اختیار کیا کرتے تھے تو آپ ہی بتلایئے مرزا غلام قادیانی کا کون پیروکار ایسا ہوگا جو سفر کی طوالت اور پرمشقت ہونے کے باوجود اپنے نبی کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اس راستہ کو اختیار نہیں کرے گا؟!

۳:- سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سکھ انڈیا کے ہوں یا لندن کے، کیوں بار بار قادیانیوں کے قادیان اور لندن کے مراکز میں جاجاکر ان قادیانیوں کا شکریہ ادا کررہے ہیں؟ آخر کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے؟

۴:- قادیانیوں نے کرتارپورہ پہنچ کر اور لندن سے اپنے بیانات کے ذریعے خود کہا کہ: یہی کرتارپورہ والا راستہ ہی ہم استعمال کریں گے۔

۵:- انڈیا اور پاکستان کی حکومتوں کے درمیان اس کرتارپورہ راہداری پر جو معاہدہ ہوا، اس میں واضح یہ کیوں لکھا گیا کہ یہ راہداری صرف سکھوں کے استعمال کے لیے نہیں، بلکہ تمام مذاہب کے لوگ اس راہداری سے آجاسکیں گے؟ یہ وہ تمام حقائق ہیں جن کی بنا پر تمام مذہبی، مسلکی، جمہوری اور سیاسی راہنماؤں نے اسے درپردہ قادیانیوں کو سہولت دینے کی سازش قرار دیا۔

ادھر کرتارپورہ راہداری کھولنے کی ۹ نومبر ۲۰۱۹ء کی تقریب جس میں ہمارے وزیراعظم سمیت

کئی وفاقی وزراء اور مقتدر اداروں کے سربراہان براجمان ہوئے، اور انہوں نے اس کو ملکی لیول کی کوئی تقریب باور کرائی، انڈیا نے اس کو اہمیت نہ دیتے ہوئے اپنا وزیر اعظم تو درکنار کوئی وفاقی سطح کا وزیر بھی اس تقریب میں نہیں بھیجا۔ یہ تو حال ہے ہماری خارجہ پالیسی اور ڈپلومیسی کا۔

دوسرا یہ کہ ہم جن سکھوں کے لیے ۱۴۲ ایکڑ پر مشتمل گردوارہ کو بڑھا کر ۱۸۴۲ ایکڑ پر لے گئے اور دنیا کا سب سے بڑا گردوارہ بنا کر اور اربوں روپے ہم نے اس پر جھونک دیئے، وہ سکھ پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی کر رہے ہیں کہ ہم پاکستان میں گھس کر مرید کے اور بہاولپور میں کارروائیاں کرائیں گے اور ہم پاکستانی لوگوں کو ان کی فوج کے خلاف کرا کر اپنا بدلہ لیں گے، حالانکہ یہ وہی سکھ ہیں کہ پاکستان بناتے وقت ہمارے آباء واجداد کو سب سے زیادہ انہوں نے قتل کیا، ہماری ماؤں بہنوں کی عصمت دری انہوں نے کی، ہم ان تمام باتوں کو بھلا کر آج دنیا کا سب سے بڑا گردوارہ بنا کر ان کو نواز رہے ہیں۔ دنیا کا مؤرخ کیا لکھے گا کہ آج کی حکومت اور مقتدر قوتیں اپنے آباء واجداد سے غداری اور ان کے خون کا سودا کر رہی تھیں یا اپنے ماضی سے نابلد اور جاہل تھیں۔

ہماری حکومت نے تو قوم کو یہ باور کرایا تھا کہ ہم سکھوں پر یہ احسان اس لیے کر رہے ہیں کہ وہ کشمیر سمیت پاکستان کے مفادات میں ہمارا ساتھ دیں گے، پاکستانی مفادات اور کشمیر میں ساتھ دینے کی بجائے اُلٹا دو لاکھ سکھوں کی فوج ہمارے کشمیری بھائیوں، بہنوں اور بیٹیوں کو یرغمال بنا کر ان کو قتل، زخمی اور ان کی عصمت دری کر رہی ہے۔ کیا ہماری حکومت بتا سکتی ہے کہ کسی ایک سکھ نے بھی ہمارے اس احسان کا بدلہ دیتے ہوئے انڈیا کی فوج سے استعفیٰ دیا ہو یا کشمیری بھائیوں کے حق میں کوئی آواز بلند کی ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے تو ملکی مفاد کے خلاف اتنا بڑا رسک کیوں لیا گیا؟ حالانکہ سکھ برملا یہ اعلان کر رہے ہیں کہ: ہم انڈیا کے ساتھ ہیں، ہم اس کی فوج کا حصہ ہیں اور ہم انڈیا کے مفادات کو مقدم رکھیں گے، آخر ایسا کیوں؟

محسوس یوں ہوتا ہے کہ ہماری حکومت اور مقتدر قوتوں نے مغربی استعمار کی خوشنودی اور حکم کی بجا آوری میں یہ طے کر رکھا ہے کہ اس ملک میں ہم نے دینِ اسلام کی تو ہر آواز کو مذہبی کارڈ کا نام دے کر اسے دبانا اور خاموش کرانا ہے اور غیر مسلم چاہے وہ سکھ ہوں یا ہندو، بدھ مذہب کے لوگ ہوں یا قادیانی وعیسائی ان کی ہر ایک بات کی تشہیر اور ان کے ہر مذہبی تہوار کو اپنے میڈیا کے ذریعے خوب اُجاگر کرنا ہمارا منشور اور ایجنڈا ہے، تاکہ مغربی آقاؤں کو پیغام دیا جاسکے کہ دیکھیے! ہم کتنا رواداری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس تقریب میں شریک ہمارے پاکستان کے وزیر خارجہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم گیارہ ارب روپے خرچ کر کے ۴۰۰ مندروں کی تعمیر کریں گے، نعوذ باللّٰہ من ذٰلک۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ اعلان ایک اسلامی جمہوری ملک کے وزیر خارجہ کا اعلان ہے؟!

آخر یہ حکومت دین کے خلاف کیا کرنا چاہتی ہے؟ کیا کوئی ایسا رجل رشید نہیں ہے جو اس حکومت سے پوچھ سکے کہ آپ کی معاشی حالت اس کی اجازت دیتی ہے؟ جس ملک میں ہسپتالوں کے لیے فنڈ نہ ہو، دوائیوں کے لیے رقم نہ ہو، یونیورسٹیوں کے لیے بجٹ نہ ہو تو ایسے ملک میں گردوارہ اور مندروں کی تعمیر میں اربوں کھربوں روپے لگانا چہ معنی دارد؟ ہماری حکومت تو ۴۰۰ مندر بنانے پر تلی ہوئی ہے، جب کہ انڈیا اپنے ملک میں مساجد کو توڑ رہا ہے۔ بابری مسجد کی جگہ ان کی سپریم کورٹ مندر بنانے کا فیصلہ دے رہی ہے اور ہماری حکومت ان کی مذمت میں ایک لفظ تک نہیں بول سکی۔

لگتا یوں ہے کہ یہ بین الاقوامی ایجنڈا ہے کہ اسلام، اسلامی اقدار اور اسلامی تہذیب کو اسلامی ممالک سے دیس نکالا دیا جائے۔ اس نے سعودی عرب، عرب امارات اور پاکستان میں حکمرانوں کو اس کام پر لگایا ہوا ہے کہ تم اپنے اپنے ممالک میں ہندوؤں، سکھوں اور بدھ مذہب کے لوگوں کی دلداری، اور ان کی خوش نودی کے لیے مندر اور گردوارے بنانے سمیت ہر وہ کام کرو جو دینِ اسلام اور مسلمانوں کے مذہبی شعائر، ان کی تہذیب اور اقدار کے خلاف ہو جس سے ظاہر ہو سکے کہ واقعی یہ حکومتیں ہماری فرماں بردار اور ہمارے احکامات کو پوری تندہی سے بجالا رہی ہیں، یا أسفٰی علی أمراء المسلمین.

....

۱۶ نومبر ۲۰۱۹ء کو ناروے کے جنوبی شہر کرسٹینڈ سینڈ میں قرآن کریم کی توہین اور نذرِ آتش کرنے کا افسوسناک واقعہ پیش آیا، اسلام مخالف تنظیم (سیان) کے کارکنوں نے ریلی نکالی، جس میں قرآن کریم کی شدید بے حرمتی کی گئی اور ایک نسخے کو آگ لگادی۔ اس موقع پر پولیس خاموش تماشائی کا کردار ادا کرتی رہی اور تنظیم کے سربراہ لارس تھورسن کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس دل خراش واقعہ کو دیکھ کر ایک مسلم نوجوان عمر الیاس یا عمر دھابہ نے اس قرآن جلانے والے ملعون کو دھکا دیا اور قرآن کریم کو آگ سے بچانے کی کوشش کی۔ اس اقدام سے دوسرے مسلمانوں کو بھی ہمت ہوئی اور انہوں نے قرآن کریم کو بچانے کی کوشش کی تو پولیس نے ان سب کو گرفتار کرلیا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس واقعہ پر سوائے ترکی حکومت کے کسی اسلامی ملک نے احتجاج نہیں کیا اور نہ ہی اس حکومت نے اس پر کوئی آواز اٹھائی۔

ہم اس واقعہ کی پرزور مذمت کرتے ہیں اور تمام اسلامی حکومتوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنس بلاکر ان کو سخت پیغام دیا جائے اور ایسے موہنِ قرآن کو عبرت ناک سزا دلوانے کے لیے بین الاقوامی عدالت میں اس پر مقدمہ قائم کرایا جائے۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

مملکتِ پاکستان اور مسلمانوں کا فریضہ

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

طاقت وقوت، دولت وثروت اور حکومت وسلطنت اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم نعمتیں ہیں جو مسلمانوں کو صرف اس لیے دی جاتی ہیں کہ ان کے ذریعہ اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ کا قانون اور احکامات نافذ کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بنیں، چنانچہ تقریباً ایک ہزار سال تک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان نعمتوں سے سرفراز فرمایا، لیکن جب مسلمان قومیں دولت وحکومت کے نشہ میں مست ہوکر اس مقصد سے منحرف وروگرداں اور اس کی پاداش کے طور پر سلطنت کی اہلیت سے محروم ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں بھی ان سے چھن گئیں، کہیں تو بالکلیہ ان نعمتوں سے محروم ہوئیں اور کہیں حقیقۃً تو چھن گئیں برائے نام رہ گئیں۔

اسی قانونِ فطرت کے تحت متحدہ ہندوستان پر صدیوں مسلمانوں کا اقتدارِ اعلیٰ برقرار رہا ہے اور اسلامی پرچم اس پورے برِصغیر پر لہراتا رہا، لیکن آخر شامتِ اعمال کے برے نتائج سامنے آئے اور برطانوی استعمار کے ابوالہول نے مسلمانوں کی عزت وعظمت، دولت وثروت اور حکومت وسلطنت سب خاک میں ملادی۔

غلامی کی رُسوا کن ٹھوکریں کھانے کے بعد آنکھ کھلی تو عرصۂ دراز تک تو بارگاہِ الٰہی میں گریہ وزاری اور آہ وفغاں کرتے رہے اور کچھ عرصہ دولتِ رفتہ کو دوبارہ حاصل کرنے کی تدبیریں بھی کیں اور قربانیاں بھی دیں، آخر پھر دریائے رحمت جوش میں آیا اور توفیقِ الٰہی نے سہارا دیا اور چھنی ہوئی سلطنت کا کچھ حصہ دوبارہ بطورِ امتحان عطا فرمایا، اسی کا نام پاکستان ہے۔

ظاہر ہے کہ پاکستان کی تشکیل کا واحد مقصد حکومتِ الٰہی کا قیام تھا، نعمتِ حق کا خوانِ یغما اس کا نام لینے والی مخلوق کے لیے بچھانا تھا، اس کے قانونِ رحمت، قانونِ عدل وانصاف اور قانونِ حکمت

وعدالت کو اس پاک سرزمین پر نافذ کرنا تھا، تاکہ اس ارضِ پاک پر ایک پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل وتعمیر ہو اور اس پاکیزہ ماحول میں ایک خدا پرست صالح اُمت وجود میں آئے اور وہ اپنے پاکیزہ کردار اور اہلیت وصلاحیت کی بنا پر ہندوستان کے بقیہ حصہ کی وراثت کے صحیح معنی میں مستحق بنے، دین ودنیا ہر اعتبار سے ایک معیاری حکومت، فلاحی مملکت اور ایمانی قوت سے مسلح قوم بن کر جلد از جلد اس قابل ہوجائے کہ اُمتِ مسلمہ کے چھ کروڑ نفوس جو ایک ظالم وجابر اور بے رحم اقتدار کے آہنی شکنجہ میں کراہ رہے ہیں، ان کو اس ''دیو استبداد'' کے خونخوار پنجے سے نجات دلائے۔

یہی ہماری آرزو ہے اور یہی ہر مسلمان کی تمنا ہونی چاہیے، اسی خواہش کے تحت ''بینات'' کے صفحات پر جو کچھ لکھا جاسکا لکھا گیا، کسی کسی وقت طرزِ بیان سخت اور درشت بھی ہوگیا ہے اور تنقید نے شدید لہجہ بھی اختیار کرلیا، لیکن الحمدللہ! جو کچھ اَب تک لکھا گیا ہے اور جو کچھ آئندہ لکھا جائے گا، وہ محض اخلاص پر مبنی اور اسی قلبی آرزو کی ایک دَبی ہوئی تڑپ ہوتی ہے جو تیز وتند تعبیر اور طرزِ ادا کی شکل اختیار کرلیتی ہے، ہوسکتا ہے کہ حقیقت ناشناس طبائع کے لیے ہماری یہ تلخ نوائی قابلِ اعتراض ہو، ہوا کرے۔ واقعہ بہرحال یہ ہے: ہم نہ رسمی سیاست جانتے ہیں اور نہ سیاستِ حاضرہ کے مردِ میدان میں نہ کسی سیاسی جماعت سے تعلق ہے نہ اس کی ترجمانی، نہ قومی اسمبلی میں کوئی کرسی حاصل کرنے کی خواہش ہے نہ کسی کرسیِ وزارت کی تمنا، ہاں! یہ خواہش اور کوشش وکاوش ضرور ہے کہ قومی یا صوبائی اسمبلی کی کرسی پر بیٹھنے والے اور قلمدان وزارت وحکومت سنبھالنے والے افراد اس کرسی اور قلمدان کی واقعی اہلیت کسی نہ کسی طرح ضرور پیدا کرلیں اور جس طرح وہ دنیا میں عزت وعظمت سے ہمکنار ہوئے تھے، اسی طرح آخرت کی سرخروئی سے بھی ضرور سرفراز ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ کے قانونِ عدل وانصاف کو اس پاک سرزمین میں ضرور نافذ اور اُستوار کریں، تاکہ اسلامی مملکت کا وقار خالق ومخلوق دونوں کی نظروں میں پیدا کرسکیں، اسی مقصد کے لیے ہم وقتاً فوقتاً ان کو جھنجھوڑتے رہتے ہیں۔

بہرحال جس طرح ہر پاکستانی کا طبعی اور فطری جذبہ یہ ہے اور ہونا چاہیے کہ ہمارا یہ ملک دنیا میں ایک مضبوط اور طاقت ور ملک اور اغیار واعداء کی گوناگوں ریشہ دوانیوں سے ہمیشہ محفوظ رہے، اسی طرح ایک سچے پاکستانی مسلمان کے دل میں بحیثیت مسلمان ہونے کے یہ تڑپ بھی ضرور ہے اور ہونی چاہیے کہ اس مملکت میں اسلامی قانون ضرور جاری ہو اور پاکیزہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل ضرور ہو، تاکہ حیاتِ طیبہ اور پاکیزہ معیشت کی دینی اور دنیوی برکات سے یہ مملکت مالا مال ہو، لیکن جب بھی وہ یہ

محسوس کرے کہ حالات کی رفتار اُمید اور توقع کے بالکل برعکس ہے اور مقصد فوت ہو رہا ہے، پوری قوم مجموعی طور پر سیرت وصورت، گفتار وکردار، اخلاق واطوار اور جذبات ورجحانات غرض ہر اعتبار سے ایک خدافراموش قوم کی صورت اختیار کرتی جارہی ہے تو اس کو یہ اندیشہ اور اس پر جانکاہ صدمہ بھی ضرور ہوگا کہ خدانا کردہ- خاکم بدہن- یہ آزمائشی طور پر دی ہوئی نعمت کہیں پھر نہ چھن جائے۔

اس لیے کہ کسی بھی شخص کے مسلمان ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ خدا اور رسول سے معاہدہ کر چکا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی بہرحال اطاعت کرے گا۔ احکامِ الٰہیہ کو بدل وجان تسلیم اور ان پر عمل پیرا ہوگا اور اگر اس کے ہاتھ میں اقتدارِ اعلیٰ ہے یا آئے گا تو ان احکامِ الٰہیہ کو ملک میں نافذ بھی کرے گا، اس حقیقت کے ہوتے ہوئے جب مسلمان اس معاہدے کی خلاف ورزی کرے گا تو قوی اندیشہ ہے کہ وہ اس عہدشکنی کے جرم کی سزا میں جلد یا بدیر پکڑا نہ جائے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ ایک مسلمان مملکت کا مسلمان شہری ملک کی اس غیر اسلامی رفتار کو دیکھ کر خاموش بیٹھا رہے۔

دینی اتحاد

مسلمان از روئے مذہب جس طرح اس کا مامور ہے کہ اپنے ملک اور قوم کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اپنی ملکی مسلمان برادری کے حق میں قولاً وفعلاً جس طرح ممکن ہو خیرخواہی کرے، اسی طرح وہ عالمگیر اسلامی اُخوت کی بنا پر ایک عالمگیر برادری -مسلمانانِ عالم- میں منسلک ہونے کی حیثیت سے مذہباً اس کا بھی مامور ہے کہ ہر ملک کے مسلمانوں کے حق میں قولاً وفعلاً جس طرح ممکن ہو خیرخواہی اور خیرسگالی کا فرض ادا کرے۔ قرآن کریم کے واضح ارشادات اور رسولِ کریم ﷺ کی صریح احادیث اس عالمی اسلامی خیرخواہی کے باب میں بکثرت موجود ہیں۔

اس لیے کہ مسلمان کے لیے عالمگیر رابطہ عالم اسلام اور عالمگیر رشتہ اُخوتِ اسلامی اور دینی وحدت ہے، جس میں تمام روئے زمین کے مسلمان منسلک ہیں، نہ قومیت مسلمانوں کا رشتۂ اتحاد ہے، نہ وطنیت، نہ رنگ اور نہ نسل۔ اسلامی قومیت کی اساس اتحادِ خون ونسل، اتحادِ ملک ووطن اور اتحادِ رنگ وروپ سب سے برتر اور وراء الوراء خالص دینی اتحاد ہے، جو محض ایک روحانی اور معنوی رشتہ ہے اور ظاہر ہے کہ روحانی رشتہ مادی رشتہ سے بہت زیادہ اعلیٰ وارفع اور قومی ومحکم تر ہوتا ہے، اس لیے تمام اسلامی حکومتوں اور تمام ممالک کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس روحانی رشتہ- اسلامی وحدت- کو ہر طرح کے اضمحلال اور ضعف سے محفوظ کر کے قوی سے قوی تر بنائیں۔

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب وترتیب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مولانا بدرِعالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا المحترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بندہ مع الخیر ہے، اس سے قبل ایک ملفوف ارسال کرچکا ہوں، شدید انتظار کے باجود ہنوز جواب سے محروم ہوں، اسی اثنا میں حادثۂ فاجعہ مولانا عثمانی مرحوم کا رونما ہوگیا، جس کی اطلاعات بذریعہ ریڈیو اکناف واطراف میں نشر ہوچکی ہیں، اس لیے فوراً اطلاع کی ضرورت نہ سمجھی، غم اور اس کی نوعیت کا لکھنا لاحاصل ہے، یہ ان مصائب میں سے ہے جو ناقابلِ تلافی ہیں، اس دور میں کسی علمی شخصیت کو اتنا عروج کب متوقع ہے کہ اسلامی ممالک کو چھوڑ کر غیرممالک بھی اس سے متعارف ہوں؟! انتہاء یہ کہ بانیٔ پاکستان کی تعزیت انڈیا (کے) گورنر جنرل کی طرف سے اس کے نام آئے۔ بہرحال! إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون ۔آپ اپنی عافیت سے مطلع فرمائیں۔مولانا ادریس صاحب (کاندھلوی) کراچی پہنچ چکے ہیں اور عنقریب بہاولپور آنے والے ہیں، مولوی مالک سلمہٗ کی طرف سے فکر ہے، ان کا خیال معلوم نہیں کیا ہے؟! میری طرف سے بہت بہت دعا کہہ دیں۔ پرسانِ حال سے بہت بہت سلام، اپنا ارادہ اب سوائے حرمین شریفین کے اور کچھ نہیں، لیکن:

بلبل ہوں صحنِ باغ سے دور اور شکستہ پر
پروانہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر

’’ترجمان السنۃ‘‘ کی دوسری جلد ۴۳۰ صفحات تک طبع ہوگئی ہے، جلدِ اول بھی آپ کی نظر سے نہ گزر سکی، جلدِ ثانی سے متعلق کیا لکھوں؟! یہ تمنا اپنے علمی کارنامے کی داد حاصل کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ قدیم علماء کا نظریہ معلوم کرنے کے لیے ہے۔اگر اپنی زندگی میں کوئی صریح خامی معلوم ہوجائے

تو ابھی اس کی تصحیح کا موقع ہے، روزِ محشر یہ موقع نہ مل سکے گا۔ اخباری اصحاب کی رائے کوئی رائے نہیں، اصحابِ حدیث وفقہ کی رائے درکار ہے۔ افسوس کہ اپنی جماعت میں کسی نے اس طرف توجہ نہ کی، چند اصحاب کو لکھا، مگر انہوں نے اظہارِ رائے تو درکنار خط کا جواب بھی نہیں دیا، واللّٰہ المستعان!

میں آپ کی تقریرِ ترمذی شریف کے طبع میں چشم براہ بیٹھا ہوا ہوں۔ اگر موجودہ فرصت بھی باقی رہی تو ان شاء اللہ تعالیٰ ہفتے عشرے سے زیادہ نہ ہوگا کہ اس کے مطالعے سے فارغ ہوجاؤں گا، اللہ تعالیٰ وہ نیت نہ دے کہ مقصد تنقید ہو، بلکہ محض استفادہ (کی نیت) ہوگی، وله الحمد أولاً وآخراً.

بندہ محمد بدر عالم عفا اللہ عنہ

یوم الأربعاء

مولانا بدرِعالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مکرم ومحترم جناب مولانا محمد یوسف صاحب دام مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ملفوفِ گرامی موصول ہوا، تحریر کردہ کتب میں سے بعض احقر کے سامنے ہیں اور بعض یہاں موجود نہیں، کتاب ''الروض الباسم'' اور ''إحکام ابن حزم'' بھی اس وقت سامنے ہیں۔ میرے خیالِ ناقص میں شاید یہ کتابیں زیادہ مفید نہیں۔ مولانا! کیا عرض کیا جائے کہ فتن کی نوعیت اب عجیب سے عجیب ہوتی جارہی ہے، قُدماء نے پھر علم وانسانیت کے دائرے تک چیزوں پر کلام کیا ہے، اب مذاق دوسرا ہے۔

محمد اسلم صاحب جیراج پوری کی کتاب میرے سامنے ہے، انہوں نے حدیث کا صرف تاریخی حد تک اعتبار کیا ہے، حلت وحرمت ثابت کرنے کے لیے اس کو بہت ناکافی قرار دیا ہے، اور اس نے اپنے اختلاف کا کافی مواد پیش کیا ہے، اور ان کا دوسرا مضمون انکارِ وقف ہے، ابھی پہلے مضمون کی جواب دہی کی فکر میں بیٹھا ہوا ہوں کہ یہ دوسرا دلخراش مضمون سامنے آگیا ہے، إنا للّٰہ وإنا إلیه راجعون۔ اس میں امام صاحبؒ کے انکارِ وقف سے کافی فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں اگر آپ کے پیشِ نظر کوئی کتاب ہو تو تحریر فرمائیں، یعنی جس میں سلف کے اوقاف یا اس کے مسائل ہوں۔ حدیث کی جو خدمت اس وقت کرنے کا ارادہ ہے، اس میں کچھ اضافات کا بھی خیال ہے، یعنی نفسِ متن میں بھی۔ اس سلسلہ میں آپ کے نزدیک پختہ مواد کہاں سے لیا جائے؟ ''کنز العمال'' بہت محتاجِ نقد ہے، ''مجمع الزوائد''، ''مسند أحمد''، ''مستدرک مع التلخیص'' میں درمیانہ درجہ سے نقد کیا گیا ہے۔ احقر کا خیال ہے کہ ان کے علاوہ حافظ ضیاء الدینؒ، بزارؒ، ابن السکنؒ، ابن خزیمہؒ کی روایات کا اضافہ کردیا جائے، گو ان میں بھی کلام کی گنجائش ہے، مگر تاہم یہ ذخیرہ شاید زیادہ ساقط نہ سمجھا جائے، اس کے لیے بھی

’’**کنز العمال**‘‘ کی ورق گردانی کرنا پڑے گی، ’’**منتخب کنز العمال**‘‘ بھی بلحاظِ نقد ’’**کنز العمال**‘‘ سے آگے نہیں ہے، تاہم اس کے علاوہ جو مفید آپ کے ذہن میں ہوں مطلع فرمائیں۔ احقر کا خیال یہ ہے کہ جو کام کیا جائے مشورہ سے ہو، ہر روز نہ کام ہوتا ہے نہ احوال مساعدت کرتے ہیں، زمانہ کا مذاق بدل چکا ہے۔ نابغۂ فنِ حدیث تو متاعِ کاسد بن چکی ہے، ایسے زمانہ میں جو قلم سے نکل جائے اُمید ہے کہ کسی وقت کسی بندۂ خدا کے کام آئے گا، جواب کا انتظار رہے گا۔

فقط بندہ: محمد بدرِ عالم عفا اللہ عنہ

مولانا بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا المحترم دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بندہ یہ عریضہ آپ کو پشاور سے لکھ رہا ہے۔ مدت سے بھائیوں سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ کا شکر کہ اس نے مدتِ مدید کے (بعد) یہ تمنا پوری فرمادی۔ بحمدہٖ تعالیٰ یہاں سب کو بعافیت پایا۔

ہفتہ کے بعد بہاولنگر واپس ہوں گا اور غالباً پھر کسی قریبی فرصت میں کراچی روانہ ہو جاؤں گا۔ مفصل عریضہ اب تک تحریر نہ کرسکا، یہ صرف میرا تکاسل نہ تھا، اب ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی تفصیلاً گزارش پیش کروں گا۔ جناب نے پوری دلچسپی رکھنے کے باوجود حساب کے مسئلہ میں اب تک کوئی رائے ظاہر نہیں فرمائی، میں اول تو اس کام کی اہلیت نہیں رکھتا، پھر میری رائے تنہا ایک رائے ہے، رائے دینے والے بہت ہیں، مگر کیا کیا جائے کہ احقر کے نزدیک وہ ذی رائے نہیں۔ اولاً تو اس میں دلسوزی اور دلچسپی کسی کو نہیں اور اگر دماغی دلچسپی ہو تو عملی حرکت نہیں۔ میں اپنے قدیم تعارف کی بنا پر پہلے بھی آپ کو لکھ چکا ہوں اور پھر یاددہانی کرتا ہوں، امید کرتا ہوں کہ اپنے دیگر مشاغل کے ساتھ اس کو بھی آپ ایک تعلیمی خدمت تصور فرمائیں گے۔ جیسا کہ لکھ چکا ہوں امسال میرا ارادہ پھر حج کا ہو رہا ہے اور اب اس سے زیادہ مجھے کوئی اور شئے محبوب بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے گا تو معاشیات پر ’’**ترجمان السنة**‘‘ کی تیسری جلد وہاں بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتی ہے۔ مولوی مالک سلمہٗ سے بہت بہت سلام۔ ان کے والد ماجد سے ملاقات ہوئی تھی، مطمئن ہیں اور خوش ہیں۔

فقط بندہ محمد بدرِ عالم

اسلامیہ کالج

نبی کریم ﷺ کے بعض بشری تقاضے اور خصائص

مولانا محمد الیاس بالاکوٹی
سیٹلائٹ ٹاؤن، جھنگ

سمجھ لینا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کی بشریتِ کاملہ میں جو بشری تقاضے اور آثار وخصائص ہیں، وہ بھی نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے انسان اور ذی مرتبت شخصیت کے آثار ومظاہر سے کہیں بڑھ کر ہوتے ہیں، مثلاً دیکھیں:

پسینہ

ہر آدمی کو پسینہ آتا ہے اور یہ پسینہ آنا کوئی عیب ونقص نہیں، بلکہ صحت کے لیے ضروری ہے۔ تاہم پسینہ کی کثرت ناگواریِ طبع اور ناپسندیدگی کا باعث ضرور ہوتی ہے، بلکہ بعض افراد کے پسینہ سے جلد ہی بدبو آنا شروع ہو جاتی ہے۔ بہرنوع بدبو نہ بھی آئے تو پسینہ میں کون سی کشش اور دلچسپی کا عنصر ہوتا ہے، پسینہ آتے ہی گھٹن اور کوفت سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ اب ذرا رحمتِ کائنات ﷺ کے بدنِ اطہر کے پسینے کا تصور فرمائیں، جس پسینے کی مہک سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور کریم ﷺ کو بآسانی تلاش کر لیتے کہ جس گلی، کوچے، چٹان، درخت کے پاس سے گزر ہوا، معطر ومنور فضائیں پتہ دے رہی ہیں کہ عطر بیز جسدِ اطہر والے گزرے ہیں۔ حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی والدہ فرماتی ہیں کہ: حضور انور ﷺ کبھی کبھار دوپہر کا قیلولہ میرے ہاں فرماتے۔ نبی کریم ﷺ کو پسینہ کثرت سے آتا تھا، دورانِ استراحت حضور ﷺ کے آرام میں خلل ڈالے بغیر چپکے سے مَیں آپ کا پسینہ ایک شیشی میں اکٹھا کر لیتی تھی۔ ایک مرتبہ میں حضور ﷺ کا پسینہ اکٹھا کر رہی تھی کہ آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ: کیا کر رہی ہو؟ میں نے عرض کیا: آپ کا پسینہ جمع کر رہی ہوں۔ یہاں عجیب جملہ ارشاد فرمایا: ''**نُصْلِحُ بِهَا عُطُوْرَنَا**'' کہ ''ہم اس پسینۂ مبارک سے اپنے پاس والے عطریات وخوشبویات کی اصلاح کر لیتے ہیں'' یعنی آپ کا پسینہ ہمارے پاس جو خوشبوئیں اور عطر ہیں ان کو اعلیٰ وعمدہ بنا دیتا ہے، گویا کہ آپ ﷺ کا پسینہ خوشبوگر ہے، خوشبوساز ہے۔ قارئین! آپ نے غور کیا؟ بشری تقاضے اپنی جگہ کہ پسینہ آنحضور ﷺ کو بھی آتا تھا، مگر کسی سے تقابل یا موازنہ ممکن نہیں، فرق وتفاوت بھی سوچ وفکر سے وراء ہے۔

جسم کے بال

عام لوگوں کے جسم کے بال جب تک تناسب سے حدِ اعتدال پہ ہوں تو جسم پہ بھلے لگتے ہیں، مگر جسم سے الگ کرنے کے بعد وہ کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پہ پھینک دیئے جاتے ہیں۔ سر کے بال، مونچھیں زیادہ بڑھ جائیں تو بدصورتی کے علاوہ میل پکڑ لیتے ہیں، جوئیں بھی پڑ جاتی ہیں، خارش ہونے لگتی ہے، وغیرہ، وغیرہ۔ ذرا سرورِ کونین ﷺ کے جسدِ اطہر سے اُترے بالوں پر غور کریں۔ نبی کریم ﷺ جب حجامت بنواتے تو خود بال اُتارنے والے کی قسمت جاگ اُٹھتی، اپنی سعادت پہ وہ نازاں وفرحاں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہد کی مکھیوں کی طرح اُن پر جھپٹتے، ایک ایک بال کے طلبگار ہوتے، جسے براہِ راست نہ مل سکتا وہ اپنے دیگر ساتھیوں سے لے لیتا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر چونکہ احرام کھولا گیا تھا تو سر منڈانے کے باعث کافی مقدار میں بال تھے، جو خود تقسیم فرمائے۔ روایات میں یہ بھی موجود ہے ایک صحابیہؓ نے حضور کریم رحمۃٌ للعالمین ﷺ کے چند بال مبارک ایک نلکی میں محفوظ کر رکھے تھے۔ جہاں کسی بچے کی آنکھ دکھنے لگتی، پھنسی نکل آتی یا کوئی عارضہ لاحق ہوتا تو متعلقہ حضرات بڑی اماں کے پاس جا کر عرضِ احوال کرتے۔ اماں جی پانی کا گھونٹ لے کر اس نلکی میں ڈال کر ہلاتیں اور وہ محلول سائل کو دے دیتیں، وہ جامِ صحت بچے کی آنکھ پر مل لیا جاتا یا پانی پلا دیا جاتا۔ سبحان اللہ! مشہور واقعہ ہے جس کی تفصیل یہاں بیان نہیں کی جاسکتی کہ حضرت سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے ایک صحابی سے جن کے پاس آنحضور ﷺ کے متعدد بال مبارک تھے، بڑی لجاجت ومنت سماجت سے نبی کریم ﷺ کے چند بال عطا کرنے کی درخواست کی اور جب صحابی رضی اللہ عنہ نے تمنا و چاہت پوری کر دی اور بال مبارک عطیہ کر دیئے تو وہ ان کے بڑے مرہونِ منت ہوئے اور بہت سا مال وزر اُن کی نذر کیا۔ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وقتِ وصال سے قبل اپنے لواحقین کو یہ وصیت فرمائی کہ میری میت کی تجہیز وتکفین کے بعد یہ بال مبارک میری میت کی آنکھوں میں رکھ دیئے جائیں اور پھر مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سپرد کر دیا جائے۔ قارئین! یہاں بھی بشریتِ رسول کا تقاضا اور اس کے آثار کا ظہور اپنی جگہ، مگر موازنہ یا مماثلت کا دعویٰ کیوں کر کیا جاسکے گا؟

بہ بیں تفاوت از کجا تا کجا است

حشرات کے بارے میں

مکھی مچھر وغیرہ ہر جسم پہ بیٹھتے ہیں، یہ کسی کے لیے پسندیدہ اور خوش کن صورت حال نہیں ہوتی، بلکہ آدمی ان موذی چیزوں سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ گندگی سے پیدا ہونے والے جانور ہیں اور قابلِ نفور بھی ہیں۔ رحمتِ کائنات ﷺ کے جسدِ اطہر وطیب پر کبھی بھی مکھی نہیں بیٹھی اور نہ ہی جسدِ اطہر سے ٹکرائی، نہ ہی آپ کے اوپر سے گزری، نہ ہی آپ کو کبھی مچھر نے کاٹا۔ البتہ بچھو کے

بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ بچھو نے آپ ﷺ کے پاؤں پہ کاٹنے کی کوشش کی، آنحضرت ﷺ نے وہیں اپنی نعلین مبارک سے اسے کچل دیا اور یہ ارشاد بھی فرمایا: ''یہ عقرب (بچھو) لعنتی جانور ہے، یہ انبیاء پر بھی حملہ کرنے سے نہیں ٹلتا۔'' قارئین: آپ نے دیکھا! یہاں بھی یہ انفرادیت صرف اور صرف جسدِ کریم ﷺ کو ہی حاصل ہے، کوئی اور آپ کا شریک نہیں۔

قد کاٹھ

انسانی قد کاٹھ کی بھی یکسانیت نہیں ہوتی، کوئی بلند قامت تو کوئی پست قد، کوئی نہایت لاغر و اکہرے بدن کے، تو کوئی اچھے خاصے مُتبدِّن (بھاری جسم والے) ہوتے ہیں، یہاں تک کہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم میں حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دراز قد اور وجیہ تھے، جبکہ حضرت سیدنا حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کا قد مبارک اونچا نہیں تھا۔ حضرت سرورِ کونین ﷺ کا قد مبارک نہ لمبا تھا، نہ ٹھگنا اور نہ ہی اکہرا، نہ چوڑا چکلا (ظاہر ہے جس ذات کی تراش وخراش، تزئین وتحسین خود خلاّقِ کائنات نے براہِ راست اپنے طور پر فرمائی، اس کا ثانی ہونا ممکن نہیں) یہاں یہ تفصیل بیان نہیں کی جاسکتی، یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ جب حضور کریم ﷺ اپنے مصاحبین اور فداکاروں میں محوِ سفر ہوتے یا جلوہ افروز ہوتے تو سب سے اونچے اور بلند نظر آتے، حالانکہ بلند قامتی نہ تھی، مگر خلاقِ عالم نے ''وَرَفَعْنَا لَکَ'' کا جلوہ یہاں بھی قائم رکھا ہوا تھا، یعنی رفعت اور بلندی قد کاٹھ کی نہ تھی، شان وآن کی تھی۔ قد مبارک متوازن وحسین تھا: ''اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ'' سفر میں آنحضور ﷺ سب سے اونچے نظر آتے تھے اور ہم رکاب صحابہؓ سے نکلا ہوا بلند و بالا اور واضح جسم صرف آنحضور ﷺ کا ہی ہوتا تھا۔

ماءِ مستعمل

انسانی بدن ناپاک گرچہ نہ بھی ہو، پھر بھی اس سے ٹپکتا گرتا پانی اصطلاحِ فقہ میں ماءِ مستعمل کہلاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ یہ طاہر غیر مطہر ہے، یہ پانی ناپاک یا حرام نہیں کہلائے گا، مگر استعمال شدہ پانی سے آئندہ نہ غسل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی وضو کیا جاسکتا ہے اور نہ کھانا پکانے، آٹا گوندھنے میں استعمال درست ہے، ہاں! ناپاک کپڑا اس سے پاک ہوجائے گا، پیا جاسکتا ہے، زمین پر گرا ہو تو اُس پر نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

نوٹ: حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مستعمل پانی ناپاک ہے، کیونکہ اس میں گناہوں کی نجاست شامل ہوجاتی ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں ایسے ہی وارد ہے، مگر دیگر اکابرِ اُمت کی رائے وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ بہرحال یہ بات آپ کے علم میں آگئی کہ استعمال شدہ پانی ایک گونہ ناپسندیدہ شئے ہے، ناقص ضرور ہے، اعلیٰ نہیں۔

حدیبیہ کے میدان میں مشرکینِ مکہ نے محمدی قافلہ کو عمرہ کی ادائیگی سے روک دیا تھا۔ یہ داستانِ فدائیت اپنی جگہ اہلِ ایمان کے ایقان کو پختہ اور توانا کرنے والی تواریخ اسلام کا حصہ ہے۔ طائف کے بنوثقیف کے رئیس و سردار مسعود ثقفی نامی قریش کی طرف سے سفیر بن کر آئے ہوئے تھے، جہاں وہ مصالحتی کردار ادا کر رہے تھے، وہاں وہ یہ بھی دیکھنا چاہتے تھے کہ محمدی رضا کاروں، جاںثاروں کی کیا کیفیت ہے اور وہ کس حد تک جا سکتے ہیں، ان میں کتنا دم خم ہے؟! یہ صاحب جب مکہ مکرمہ واپس گئے تو قریشِ مکہ کے سامنے انہوں نے جو منظر دیکھا تھا، اس کی منظر کشی کچھ اس طرح کی:

''میں بڑے بڑے رؤسا، امراء اور شاہی درباروں میں گیا ہوں اور ان کے حاضر باش درباریوں کے آداب، رکھ رکھاؤ اور ٹھاٹھ باٹھ بھی اچھی طرح دیکھے ہیں، ان کے جذبوں اور اظہارِ محبت و الفت کے انداز بھی ملاحظہ کیے ہیں، مگر محمد (ﷺ) اور اس کے جاں نثاروں کی جو صورتِ حال میں نے دیکھی ہے وہ نرالی ہے، نہایت محیر العقول ہے۔ محمد (ﷺ) جب لعاب پھینکتے ہیں تو وہ لوگ اسے زمین پہ نہیں گرنے دیتے، بلکہ ہاتھوں پہ لے لیتے ہیں، اپنے منہ اور جسم پہ مل لیتے ہیں، جب وہ وضو کرتے ہیں تو پانی اپنے ہاتھوں پہ لے لیتے ہیں اور حاضرین میں سے جسے وہ پانی رش کے باعث نہ مل سکے تو وہ دوسرے ساتھی سے تھوڑی سی نمی لے کر اپنے او پر مل لیتا ہے۔''

غور کیجئے! یہ شخص اس وقت ایمان نہیں لایا ہوا تھا اور دشمن کیمپ کا نمائندہ بن کر آیا ہوا تھا، مگر نبی مکرم ﷺ کے ہم رکاب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حسنِ عقیدت و وارفتگی اور دل بستگی کی روح پرور روئیداد کی منظر کشی کس بے ساختگی سے کر رہا ہے، گویا کہ اس نے قریشِ مکہ کو اپنے طور پر یہ حقیقت بتلا دی کہ جس شخص کے اردگرد ایسے لوگ موجود ہوں کہ اس کے استعمال شدہ پانی اور لعاب کو ضائع نہیں ہونے دیتے، بھلا وہ لوگ ان کی ذات پر کوئی آنچ آنے دیں گے؟ قارئین! یہ صرف ایک واقعہ بطور استشہاد ذکر کیا گیا، ورنہ دیگر کتنے استدلال پیش کیے جا سکتے ہیں، یہاں بھی موازنہ یا مطابقت کیسے متصور ہو سکتی ہے؟ ''تو کجا مَن کجا''

نیند

ویسے تو نیند انسانوں کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے اور انسانی ضروریات میں سے ایک اہم عنصر ہے۔ تاہم ایک غفلت، بےخبری، ایک گونہ بےبسی کا ظہور نیند سے سامنے آتا ہے۔ نیند میں آدمی اپنے آپ سے اپنے ماحول سے کٹ جاتا ہے، حالانکہ وہیں موجود ہوتا ہے۔ آج کے ہیجان خیز ماحول نے بعض لوگوں کو بےخوابی کا مریض بنا ڈالا ہے، چنانچہ وہ نیند لانے کے لیے خواب آور ادویہ استعمال کرتے ہیں، نیند نہ آتی ہو تو دیگر کئی قسم کے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، تاکہ نیند آئے اور جسم کو سکون میسر ہو۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی نیند عام انسانوں کے برعکس خدا تعالیٰ کے برگزیدہ ترین صالحین اور کاملین کی مقبول عبادت کے لحات سے بھی کہیں بہتر ہوتی ہے۔ دیکھئے! حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا خواب ہی تو تھا جس کی بنا پر انہوں نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا عظیم اقدام کیا اور مقبولیت کا مقام پا گئے، جبکہ اسلام میں فریضۂ حج میں مقامِ منیٰ کے سب اعمال، قربانی، رمیِ جمار، وغیرہ انہی کی سنت ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: ''وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ''یعنی ہم نے ان کی اس قربانی کے عظیم عمل کو آنے والی نسلوں کے لیے جاری کر دیا۔ ظاہر ہے خواب کا تعلق نیند سے ہے اور یہ اس کی ہی فرع ہے، نیز معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی نیند میں دیکھی گئی چیز بھی وحیِ الٰہی کہلاتی ہے اور احکامِ شریعت کا حصہ بنتی ہے، بلکہ خود نبی کریم ﷺ پر سلسلۂ وحی شروع ہونے سے قبل رؤیائے صالحہ کا سلسلہ جاری ہوا تھا۔ ارشاد فرمایا: جو اس وقت خواب میں دکھایا جاتا نصف النہار کی طرح اس کا ظہور ہوتا۔ نبی کریم ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے: ''تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ أَوْكَمَا قَالَ''یعنی میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا۔ یہی وجہ ہے کہ سونے سے ہر آدمی کا وضو جاتا رہتا ہے، مگر انبیاء کرام علیہم السلام کا وضو قائم رہتا تھا۔ قارئین کرام! آپ نے مذکورہ معروضات سے بخوبی اندازہ کر لیا ہوگا کہ نبی کریم ﷺ بلکہ سب انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر اُمتیوں کی نینداور خوابوں میں کتنا تفاوت اور عظیم فرق ہے۔

خون

خون جسدِ انسانی کا ایک ناگزیر حصہ ہے اور ہر جسم میں خون لازماً ہوتا ہے اور کسی نہ کسی شکل میں اس کا خروج بھی ہوہی جاتا ہے۔ خون جسم انسانی کی بقاء وصحت کا ضامن ہے، مگر خون خواہ انسان کا ہو یا جانور کا، پھر جانور خواہ حلال ہو یا حرام، خون بہرحال ناپاک بھی ہے اور حرام بھی۔ بدن کپڑے یا زمین جس جگہ جہاں لگ جائے وہ نجس کہلائے گی، اسے پاک کرنے کے لیے دھونا یا دور کرنا ضروری ہوگا۔

جسدِ اقدس کا نبی کریم ﷺ نے حجامہ کروایا، بدنِ اقدس سے نکلا ہوا لہو ایک برتن میں پڑا تھا، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے آئے تو حضور کریم ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا: عبداللہ! یہ خون لے جاؤ، کہیں دبا دو۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما وہ پیالہ اُٹھا کر لے گئے۔ اب ضمیر کی خلش نے عجیب مخمصے میں ڈال دیا کہ مفخرِ موجودات، سید الاولین والآخرین کے جسدِ اطہر واطیب، ارفع اعلیٰ سے نکلا ہوا یہ خون ہو اور یہ نعمتِ بے بہا میسر بھی ہو، میں اُسے پھینک دوں؟ دبا دوں؟ ضائع کر دوں؟ دماغ یہ وزن نہ اُٹھا سکا، احساساتِ قلبی کے ہاتھوں مجبور ہو کر انہوں نے چپکے سے وہ پی لیا۔ جی ہاں! اپنے من کا یہ فیصلہ ان کو صحیح محسوس ہوا اور پھر خاموشی سے لا کر برتن رکھ دیا۔ حضور اکرم رحمتِ مجسم ﷺ نے عبداللہ کے چہرہ پر نگاہ ڈالی جو اُن کی اندرونی کیفیت اور عرقِ بشاشت کا پتہ دے رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا: پھینک آئے؟ سر ہلا کر عرض کی: جی چھپا، دبا آیا۔ حضور کریم رؤف رحیم ﷺ نے فرمایا: ''لَعَلَّكَ شَرِبْتَ'' یعنی ''شاید تو

نے پی لیا''...... یہاں انکار یا تاویل کی گنجائش نہ تھی اور نہ کوئی معذرت کی ضرورت۔ سبحان اللہ! اس پر ارشادِ نبوی کا حاصل کچھ اس طرح ہے کہ تمہارے دشمنوں کے لیے بربادی وہلاکت ہے۔ گویا کہ فرمان یہ تھا کہ: میرے جسم سے کشید کردہ خون جس جسم کا حصہ بن گیا اس جسم کے کیا کہنے! اس کی جرأت وبسالت، ہمت وحوصلے کے کیا کہنے! اس شخص سے ٹکرانے والے کی بدقسمتی پر بھی تف ہے، اس کی شامت آئے گی۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں اس حرکت پر تنبیہ نہیں کی، ٹوکا نہیں کہ یہ کیا حرکت ہے؟! تم نے پی کیوں لیا؟! چہرۂ انور پر کوئی ناگواری کا اثر بھی ظاہر نہیں ہوا۔ قارئین کرام! یہاں بھی یہی نتیجہ اخذ کیا جائے گا کہ بتقاضائے بشریت بطورِ علاج خون نکلوایا گیا، یہ بات بس یہاں تک محدود رہے گی، آگے خون کے احکامات یا موازنہ یا تقابل یا کچھ مزید کہنا تو یہ بے ادبی اور گستاخی کے زمرے میں آئے گا، أعاذنا اللّٰہ منھا.

نوٹ: سطورِ بالا اور گزشتہ معروضات سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ جسدِ اطہر سے نکلی دیگر رطوبات بھی اسی نسبت سے اعلیٰ وارفع ہوں گی اور یہ تفاوت مبنی بر حقیقت ہوگا، مجاز یا صرف حسنِ عقیدت ومحبت ہی نہ ہوگا۔

فضلہ جات

آدمی جو خوراک کھاتا ہے اس کا کچھ حصہ جزوِ بدن بن جاتا ہے، باقی اس کا فضلہ بنتا ہے اور وہ اپنے فطری راستہ وطریق سے خارج ہوتا ہے، جسے ہم پیشاب پاخانہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا خروج بھی ناگزیر اور امورِ طبعیہ سے ہے، یہ سلسلہ زندگی کا لازمہ ہونے کے باوجود دلچسپی یا دل بستگی کا عنوان نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کسی خوبی وکمال یا مقامِ مدح بنتا ہے۔ نبی کریم ﷺ بہ تقاضائے بشریت یہ عمل بھی جسدِ محمدی سے صادر ہونا تھا، سو ہوا۔ آخر اُمت کے لیے اس میں بھی ہدایت وراہنمائی چاہیے تھی۔ بعض اُمورامت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے پیدا کرکے اپنے نبی ﷺ سے صادر کروائے، تاکہ ان کی اُمت کے لیے راہنمائی کا سامان ہوسکے۔ ایک یہودی نے ایک صحابیؓ کو بطورِ طعن کہا: تمہارے نبی نے تو تمہیں پیشاب کرنے کے بھی آداب سکھائے ہیں؟! اس پر صحابیؓ نے مرعوب ہونے کی بجائے پورے شرحِ صدر سے جواب دیا: ہاں! میرے نبی نے ہمیں بتلایا کہ روبقبلہ ہوکر پیشاب مت کرو، نیچی جگہ سے اونچی طرف نہ کرو، پیشاب سے بچو، وغیرہ۔

واقعۂ موچ

ایک مرتبہ حضور کریم ﷺ کے پاؤں میں موچ آگئی (یا کمر میں تکلیف کے باعث اور بعض روایات کے مطابق گھوڑے سے اُترتے گر کر چوٹ لگ گئی (کوئی بھی وجہ ہوئی تھی) جس کی وجہ سے آنحضور ﷺ چلنے پھرنے سے قاصر تھے، چنانچہ گھر میں ہی ایک کُپی میں پیشاب کرنا پڑا۔ وہ برتن ایک

کونے میں رکھا تھا، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی باندی بریرہؓ آئیں تو نبی کریم ﷺ نے اس سے ارشاد فرمایا: بریرہ! یہ لے جاؤ اور باہر پھینک آؤ۔ باندی وہ برتن اُٹھا کر لے گئیں، مگر اگلا مرحلہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے امتحان کا تھا، وہ اپنے ضمیر اور حکم نبوی کے سامنے کشمکش میں مبتلا ہوگئیں۔ بالآخر اس کے ضمیر اور جذبۂ عقیدتِ نبوی کے سامنے ہتھیار ڈال کر وہ فضلہ جو جسدِ محمدی سے نکلا تھا، نوش کرلیا، وہ برتن صاف کر کے گھر میں رکھ دیا۔ جب حضور کریم ﷺ کا سامنا ہوا تو نبی کریم ﷺ نے پوچھ ہی لیا، پھینک آئی ہو؟ یہ اس کے لیے نیا امتحان سر پہ آن کھڑا ہوا، سچ کہتی تو پھر بظاہر حضور کریم ﷺ کے فرمان پہ عمل نہ کرنے کی مجرمہ بنتی اور غلط بیانی سرورِ کونین ﷺ کے حضور اور وہ بھی ایک صحابیہؓ سے ... یہ بھی ممکن نہ تھا، خاموش رہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فراستِ نبوی کی بنا پر فرمایا: ''لَعَلَّکِ شَرِبْتِ''... ''بریرہ! تم نے وہ پی لیا۔'' اس پر نبی کریم ﷺ نے جو فرمایا اس کا حاصل کچھ اس طرح ہے کہ: ''اے بریرہ! تجھے آج کے بعد پیٹ کی کوئی بیماری نہیں لگے گی۔'' گویا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اس مشروب کے باعث معدہ اور اندرون کی تمام بیماریوں سے محفوظ ہوگئیں۔

نوٹ: اس موقع پر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آنحضور ﷺ کی ناگواری یا ناراضگی کا خدشہ تھا، وہ تو نہ ہوا، بلکہ اس حرکت سے قسمت جاگ گئی۔ دواءِ معدہ و ممیرہ میسر آئی، اللّٰہ أکبر کبیرا .

قضائے حاجت

نبی کریم ﷺ جب قضائے حاجت کے لیے جاتے تو بہت دور تشریف لے جاتے، یہاں تک کہ بعض مرتبہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔ ویسے بھی ضرورت ہی کم پڑتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی قضائے حاجت سے فراغت کے بعد کوئی اثر یا نشان نہیں پایا گیا۔ ایک سفر میں حضور ﷺ کو قضاءِ حاجت کی ضرورت تھی، وہاں آس پاس کوئی اوٹ یا ٹیلا نہ تھا۔ حضور کریم ﷺ نے کافی فاصلے پر ایک درخت کو اشارہ کیا، درخت تعمیلِ ارشاد میں حاضر ہوگیا، پھر دوسرے درخت کو بلایا اور دونوں کی اوٹ میں فراغت کی، پھر ان دونوں درختوں کو واپس اپنی اپنی جگہ پر چلے جانے کا حکم ہوا اور وہ چلے گئے۔

قارئین باتمکین! سطورِ بالا میں مذکور بعض ان اعراض کا ذکر ہوا جو جسدِ نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے صادر ہوئے اور یہ معروضات جسدِ نبوی سے خارج شدہ ناقص، انقص اور ادنیٰ سے ادنیٰ کے احوال تھے۔ سوچیں! ناقص کا یہ عالم ہے تو اعلیٰ وارفع کی بالاتری کا عالم کیا ہوگا؟!

قلم ایں جا رسید و سر بشکست

اللّٰهم صل وسلم علی نبیك وعلی آله وأصحابه أجمعین

محمد بشر و لیس کالبشر

هو في الناس کالیاقوت في الحجر

شرعی عائلی احکام کی دفعہ بندی:

مفتی شعیب عالم

اُستاذ ومفتی دارالافتاء جامعہ

قانونِ رضاعت (نویں قسط)

دفعہ ۱۲۔ حرمتِ رضاعت سے مستثنیٰ رشتوں کا بیان

درج ذیل رشتے رضاعت کے سبب حرام نہیں ہوں گے:

الف۔ مرد کے لیے بواسطہ مرد نو حلال رضاعی رشتے اور ان کی ستائیس صورتیں:

۱۔ نسبی بھائی کی نسبی ماں حرام ہے، کیونکہ وہ یا تو حقیقی ماں ہوگی یا والد کی منکوحہ ہوگی، مگر

۱) رضاعی بھائی کی نسبی ماں

۲) نسبی بھائی کی رضاعی ماں

۳) اور رضاعی بھائی کی رضاعی ماں، بشرطیکہ اس کا دودھ نہ پیا ہو، حلال ہے۔

۲۔ نسبی بیٹے کی نسبی بہن حرام ہے کیونکہ وہ یا تو بیٹی ہوگی یا ربیبہ ہوگی، مگر

۴) رضاعی بیٹے کی نسبی بہن

۵) نسبی بیٹے کی رضاعی بہن

۶) اور رضاعی بیٹے کی رضاعی بہن، حلال ہے۔

۳۔ نسبی بیٹے کی نسبی جدۃ (نانی یا دادی) حرام ہے، کیونکہ دادی ہونے کی صورت میں ماں ہے اور نانی ہونے کی صورت میں ساس ہے، مگر

۷) رضاعی بیٹے کی نسبی جدۃ

۸) نسبی بیٹے کی رضاعی جدۃ

۹) اور رضاعی بیٹے کی رضاعی جدۃ، حلال ہے۔

۴۔ نسبی چچا کی نسبی ماں حرام ہے کیونکہ وہ یا تو دادی ہوگی یا دادا کی منکوحہ، مگر

۱۰) رضاعی چچا کی نسبی ماں

۱۱) نسبی چچا کی رضاعی ماں

۱۲) اور رضاعی چچا کی رضاعی ماں، حلال ہے۔

۵۔نسبی ماموں کی نسبی ماں حرام ہے کیونکہ وہ یا تو نانی ہوگی یا نانا کی منکوحہ ہوگی، مگر

۱۳) رضاعی ماموں کی نسبی ماں

۱۴) نسبی ماموں کی رضاعی ماں

۱۵) اور رضاعی ماموں کی رضاعی ماں

۶۔نسبی بیٹے کی نسبی پھوپھی حرام ہے کیونکہ وہ بہن ہے، مگر

۱۶) رضاعی بیٹے کی نسبی پھوپھی

۱۷) نسبی بیٹے کی رضاعی پھوپھی

۱۸) اور رضاعی بیٹے کی رضاعی پھوپھی، حلال ہے۔

۷۔بیٹے کی نسبی پھوپھی کی نسبی بیٹی حرام ہے، کیونکہ وہ بھانجی ہے، مگر

۱۹) بیٹے کی رضاعی پھوپھی کی نسبی بیٹی

۲۰) بیٹے کی نسبی پھوپھی کی رضاعی بیٹی

۲۱) بیٹے کی رضاعی پھوپھی کی رضاعی بیٹی، حلال ہے۔

۸۔بیٹے کی نسبی بہن کی نسبی بیٹی حرام ہے کیونکہ وہ نواسی ہوگی یا ربیبہ کی بیٹی، مگر

۲۲) بیٹے کی رضاعی بہن کی نسبی بیٹی

۲۳) بیٹے کی نسبی بہن کی رضاعی بیٹی

۲۴) اور بیٹے کی رضاعی بہن کی رضاعی بیٹی حلال ہے۔

۹۔بیٹے کی نسبی اولاد کی نسبی ماں سے نکاح حرام ہے کیونکہ وہ بہو ہوگی، مگر

۲۵) بیٹے کی رضاعی اولاد کی نسبی ماں

۲۶) بیٹے کی نسبی اولاد کی رضاعی ماں

۲۷) اور بیٹے کی رضاعی اولاد کی رضاعی ماں، حلال ہے۔

ب۔مرد کے لیے بواسطہ عورت نو حلال رضاعی رشتے اور ان کی ستائیس صورتیں:

۱۰۔نسبی بہن کی نسبی ماں حرام ہے کیونکہ وہ یا تو حقیقی ماں ہوگا وی یا والد کی منکوحہ ہوگی، مگر

۲۸) رضاعی بہن کی نسبی ماں

۲۹) نسبی بہن کی رضاعی ماں

۳۰) اور رضاعی بہن کی وہ رضاعی ماں جس کا دودھ نہیں پیا ہے، حلال ہے۔

۱۱۔ نسبی بیٹی کی نسبی بہن حرام ہے کیونکہ وہ یا تو بیٹی ہوگی یا ربیبہ ہوگی، مگر

۳۱) رضاعی بیٹی کی نسبی بہن

۳۲) نسبی بیٹی کی رضاعی بہن

۳۳) اور رضاعی بیٹی کی رضاعی بہن، حلال ہے۔

۱۲۔ نسبی بیٹی کی نسبی جدۃ (نانی یا دادی) سے حرام ہے کہ دادی ہونے کی صورت میں ماں اور نانی ہونے کی صورت میں ساس ہوگی، مگر

۳۴) رضاعی بیٹی کی نسبی جدۃ

۳۵) نسبی بیٹی کی رضاعی جدۃ

۳۶) اور رضاعی بیٹی کی رضاعی جدۃ، حلال ہے۔

۱۳۔ نسبی پھوپھی کی نسبی ماں حرام ہے کیونکہ وہ یا تو دادی ہوگی یا دادا کی منکوحہ، مگر

۳۷) رضاعی پھوپھی کی نسبی ماں

۳۸) نسبی پھوپھی کی رضاعی ماں

۳۹) اور رضاعی پھوپھی کی رضاعی ماں، حلال ہے۔

۱۴۔ نسبی خالہ کی نسبی ماں حرام ہے کیونکہ وہ یا تو نانی ہوگی یا نانا کی منکوحہ، مگر

۴۰) رضاعی خالہ کی نسبی ماں

۴۱) نسبی خالہ کی رضاعی ماں

۴۲) اور رضاعی خالہ کی رضاعی ماں، حلال ہے۔

۱۵۔ نسبی بیٹی کی نسبی پھوپھی حرام ہے کیونکہ بہن ہے، مگر

۴۳) رضاعی بیٹی کی نسبی پھوپھی

۴۴) نسبی بیٹی کی رضاعی پھوپھی

۴۵) اور رضاعی بیٹی کی رضاعی پھوپھی، حلال ہے۔

۱۶۔ بیٹی کی نسبی پھوپھی کی نسبی بیٹی سے نکاح حرام ہے کیونکہ وہ بھانجی ہے، مگر

۴۶) بیٹی کی رضاعی پھوپھی کی نسبی بیٹی

۴۷) بیٹی کی نسبی پھوپھی کی رضاعی بیٹی

۴۸) اور بیٹی کی رضاعی پھوپھی کی رضاعی بیٹی، حلال ہے۔

۱۷۔بیٹی کی نسبی بہن کی نسبی بیٹی سے نکاح حرام ہے کیونکہ وہ نواسی ہوگی یا ربیبہ کی بیٹی، مگر

۴۹) بیٹی کی رضاعی بہن کی نسبی بیٹی

۵۰) بیٹی کی نسبی بہن کی رضاعی بیٹی

۵۱) بیٹی کی رضاعی بہن کی رضاعی بیٹی، حلال ہے۔

۱۸۔اور بیٹی کی نسبی اولاد کی نسبی ماں سے نکاح حرام ہے کیونکہ وہ بیٹی ہوگی، مگر

۵۲) بیٹی کی رضاعی اولاد کی نسبی ماں

۵۳) بیٹی کی نسبی اولاد کی رضاعی ماں

۵۴) اور بیٹی کی رضاعی اولاد کی رضاعی ماں، حلال ہے۔

ج۔عورت کے لیے بواسطہ مرد نو حلال رضاعی رشتے اور ان کی ستائیس صورتیں:

۱۹۔نسبی بھائی کا نسبی باپ حرام ہے کیونکہ وہ باپ ہوگا یا ماں کا شوہر، مگر

۵۵) رضاعی بھائی کا نسبی باپ

۵۶) نسبی بھائی کا رضاعی باپ

۵۷) اور رضاعی بھائی کا رضائی باپ، حلال ہے۔

۲۰۔نسبی بیٹے کا نسبی بھائی حرام ہے کیونکہ وہ بیٹا ہوگا، مگر

۵۸) رضاعی بیٹے کا نسبی بھائی

۵۹) نسبی بیٹے کا رضاعی بھائی

۶۰) اور رضاعی بیٹے کا رضاعی بھائی، حلال ہے۔

۲۱۔نسبی بیٹے کے نسبی جد (دادا، نانا) حرام ہے کیونکہ وہ باپ ہوگا یا سسر، مگر

۶۱) رضاعی بیٹے کا نسبی جد

۶۲) نسبی بیٹے کا رضاعی جد

۶۳) اور رضاعی بیٹے کا رضاعی جد، حلال ہے۔

۲۲۔نسبی چچا کا نسبی باپ دادا ہونے کی بناء پر حرام ہے، مگر

۶۴) رضاعی چچا کا نسبی باپ

۶۵) نسبی چچا کا رضاعی باپ

۶۶) اور رضاعی چچا کا رضاعی باپ، حلال ہے۔

۲۳۔نسبی ماموں کا نسبی باپ حرام ہے کہ نانا ہے، مگر

۶۷) رضاعی ماموں کا نسبی باپ

۶۸) نسبی ماموں کا رضاعی باپ

۶۹) اور رضاعی ماموں کا رضاعی باپ، حلال ہے۔

۲۴۔نسبی بیٹے کا نسبی ماموں حرام ہےکیونکہ وہ بھائی ہے، مگر

۷۰) رضاعی بیٹے کا نسبی ماموں

۷۱) نسبی بیٹے کا رضاعی ماموں

۷۲) رضاعی بیٹے کا رضاعی ماموں، حلال ہے۔

۲۵۔بیٹے کی نسبی خالہ کا نسبی بیٹا، حرام ہے کیونکہ بھانجا ہوگا، مگر

۷۳) بیٹے کی رضاعی خالہ کا نسبی بیٹا

۷۴) بیٹے کی نسبی خالہ کا رضاعی بیٹا

۷۵) اور بیٹے کی رضاعی خالہ کا رضاعی بیٹا، حلال ہے۔

۲۶۔بیٹے کی نسبی بہن کا نسبی بیٹا حرام ہے کیونکہ نواسا ہے، مگر

۷۶) بیٹے کی رضاعی بہن کا نسبی بیٹا

۷۷) بیٹے کی نسبی بہن کا رضاعی بیٹا

۷۸) اور بیٹے کی رضاعی بہن کا رضاعی بیٹا، حلال ہے۔

۲۷۔بیٹے کے نسبی بیٹے کا نسبی بیٹا، پڑپوتا ہے، اور حرام ہے، مگر

۷۹) بیٹے کے رضاعی بیٹے کا نسبی بیٹا

۸۰) بیٹے کے نسبی بیٹے کا رضاعی بیٹا

۸۱) اور بیٹے کے رضاعی بیٹے کا رضاعی بیٹا، حلال ہے۔

د۔عورت کے لیے بواسطہ عورت نو حلال رضاعی رشتیا وران کی ستائیس صورتیں:

۲۸۔نسبی بہن کا نسبی باپ، باپ ہوتا ہے یا ماں کا شوہر، اور بہر دو صورت حرام ہے، مگر

۸۲) رضاعی بہن کا نسبی باپ

۸۳) نسبی بہن کا رضاعی باپ

۸۴) اور رضاعی بہن کا رضائی باپ، حلال ہے۔

۲۹۔نسبی بیٹی کا نسبی بھائی، حرام ہے کیونکہ بیٹا ہے، مگر

۸۵) رضاعی بیٹی کا نسبی بھائی

۸۶) نسبی بیٹی کا رضاعی بھائی

۸۷) اور رضاعی بیٹی کا رضاعی بھائی، حلال ہے۔

۳۰۔نسبی بیٹی کا نسبی جد (دادا، نانا) حرام ہے کیونکہ وہ باپ ہوگا یا سسر ہوگا، مگر

۸۸) رضاعی بیٹی کا نسبی جد
۸۹) نسبی بیٹی کا رضاعی جد
۹۰) اور رضاعی بیٹی کا رضاعی جد، حلال ہے۔

۳۱۔نسبی پھوپھی کا نسبی باپ، دادا ہونے کی بناء پر حرام ہے، مگر

۹۱) رضاعی پھوپھی کا نسبی باپ
۹۲) نسبی پھوپھی کا رضاعی باپ
۹۳) اور رضاعی پھوپھی کا رضاعی باپ، حلال ہے۔

۳۲۔نسبی خالہ کا نسبی باپ حرام ہے کیونکہ وہ نانا ہے، مگر

۹۴) رضاعی خالہ کا نسبی باپ
۹۵) نسبی خالہ کا رضاعی باپ
۹۶) اور رضاعی خالہ کا رضاعی باپ، حلال ہے۔

۳۳۔نسبی بیٹی کا نسبی ماموں حرام ہے کیونکہ بھائی ہے، مگر

۹۷) رضاعی بیٹی کا نسبی ماموں
۹۸) نسبی بیٹی کا رضاعی ماموں
۹۹) اور رضاعی بیٹی کا رضاعی ماموں، حلال ہے۔

۳۴۔بیٹی کی نسبی خالہ کا نسبی بیٹا، بھانجا ہونے کی بناء پر حرام ہے، مگر

۱۰۰) بیٹی کی رضاعی خالہ کا نسبی بیٹا
۱۰۱) بیٹی کی نسبی خالہ کا رضاعی بیٹا
۱۰۲) اور بیٹی کی رضاعی خالہ کا رضاعی بیٹا، حلال ہے۔

۳۵۔بیٹی کی نسبی بہن کا نسبی بیٹا، نواسا ہے اور حرام ہے، مگر

۱۰۳) بیٹی کی رضاعی بہن کا نسبی بیٹا
۱۰۴) بیٹی کی نسبی بہن کا رضاعی بیٹا
۱۰۵) اور بیٹی کی رضاعی بہن کا رضاعی بیٹا، حلال ہے۔

۳۶۔بیٹی کے نسبی بیٹے کا نسبی بیٹا، پرنواسا ہونے کی بناء پر حرام ہے، مگر

۱۰۶) بیٹی کے رضاعی بیٹے کا نسبی بیٹا
۱۰۷) بیٹی کے نسبی بیٹے کا رضاعی بیٹا

(۱۰۸) اور بیٹی کے رضاعی بیٹے کا رضاعی بیٹا، حلال ہے۔

مدتِ رضاعت سے متعلق احکام

دفعہ۱۳۔ رضاعت کی مدت

رضاعت کی مدت دو سال ہے۔

توضیح: اگر بچہ کا دودھ چھڑا دیا گیا ہو پھر کوئی عورت اسے مذکورہ مدت کے اندر دودھ پلائے تو بھی متذکرہ عورت سے رضاعت کا رشتہ قائم ہو جائے گا۔

دفعہ۱۴۔ مدت رضاعت سے کم یا زائد دودھ پلانے کا حکم

(۱) دو سال سے کم مدت میں دودھ چھڑانا جائز ہے بشرطیکہ:

الف۔ والدین اس پر متفق ہوں۔

ب۔ بچہ کے لیے ضرر کا باعث نہ ہو۔

(۲) بچہ کی مصلحت متقاضی ہو تو دو سال سے زائد مدت بھی دودھ پلانا جائز ہے، مگر زائد مدت چھ ماہ سے زیادہ نہ ہونی چاہیے۔

دفعہ۱۵۔ مدتِ رضاعت کے بعد کے احکام

(۱) مدت رضاعت کے بعد کے احکام درج ذیل ہوں گے:

(۲) ماں پر از روئے دیانت بھی رضاعت کا وجوب باقی نہیں رہے گا۔

(۳) ماں واجرت کا استحقاق نہیں رہے گا۔

(۴) دفعہ۱۳ اور ۵ کے مجموعی احکام کے پیش نظر رضاعت جائز نہ ہوگی۔

(۵) رضاعت سے حرمت کا رشتہ قائم نہ ہوگا، اگرچہ رضاعت حرام ہوگی۔

(۶) بچے کے باپ کو ماں پر رضاعت کے لیے جبر کا اختیار نہیں رہے گا اور نہ ہی عدالت اسے رضاعت کے لیے مجبور کر سکے گی، اگرچہ از روئے قضا مدت رضاعت میں اس پر رضاعت واجب رہی ہو۔

(۷) بچہ کا باپ ماں کو رضاعت سے روکنے کا مجاز ہوگا۔ علاج کی غرض سے بھی بچے کو دودھ پلانا جائز نہ ہوگا، مگر یہ کہ:

الف۔ ماہر، دین دار و تجربہ کار طبیب اسے علاج کی غرض سے ضروری تجویز کرے۔

ب۔ شفا کے حصول کا یقین یا ظن غالب ہو۔

ج۔ دودھ کے علاوہ کوئی اور جائز متبادل نہ ہو۔ (جاری ہے)

رموزِ محدثین کا تعارف!

مفتی ابوالخیر عارف محمود
دارالتصنیف مدرسہ فاروقیہ، گلگت

مصنفین کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں اختصار وغیرہ کے پیشِ نظر بہت سے رموز واشارات کا استعمال کرتے ہیں، جن سے کبھی تو عالم کا نام اور کبھی کتاب کا نام اور کبھی کوئی جملہ یا کلمہ وغیرہ مراد ہوتا ہے۔ محدثین بھی اس طرح کے رموز کا بکثرت استعمال کرتے ہیں اور ان کی کتابوں سے کما حقہ فائدہ ان رموز کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں، اور ان کی وضاحت حدیث ہی کی خدمت میں داخل ہے۔ (۱)

رُموز کی ضرورت واہمیت

علماء کرام نے اختصار وایجاز کی ضرورت وایجاز سے متعلق جو کچھ لکھا ہے، کسی قدر حک واضافے کے ساتھ اس کا حاصل یہ ہے کہ:

''اختصار وایجاز ضرورت کے مواقع میں ممدوح ومحمود ہے۔ اختصار کے کئی طریقے ہیں:

۱:-کلام میں سے غیرضروری اجزاء حذف کر کے بات کو مختصر کرنا۔

۲:-لمبی بات کا خلاصہ ومفہوم بیان کرنا۔

۳:-الفاظ کے بجائے اشارات ورموز استعمال کرنا الخ۔

ان میں سے اشارات ورموز کا طریقہ بھی بہت اہم ہے، اور تقریباً ہر فن میں اس کا استعمال مروج ہے۔ قرآن کریم میں رُموز اوقاف اس کا مظہر ہیں، فقہ میں مشہور فقہاء اور ان کی کتابوں کی طرف حوالہ دینے میں رموز مستعمل ہیں۔ فقہ حنفی کی کتابوں کے لیے شاید سب سے زیادہ جس نے رموز متعین کیے وہ صاحب ''جامع الفصولین'' ہیں۔ اسی طرح احادیث کے باب میں محدثین نے مختلف اغراض کے لیے رموز اپنائے ہیں:

۱:-روایات کے مآخذ، یعنی احادیث کا ان کی اصل کتابوں کی طرف حوالہ دینے کے لیے۔

۲:-راویوں کی مرویات کونسی کتابوں میں ہیں، ان کی نشاندہی کے لیے۔

۳:-روایت کے کثیر الدوران الفاظ کو مختصر کرنے کے لیے۔ ان رموز کے ایجاد کی اصل وجہ

قلتِ اوراق بتائی جاتی ہے۔ ذیل میں رمز کی لغوی و اصطلاحی تعریف، محدثین کے نزدیک رموز کے استعمال کی تاریخ، اقسام اور ان کے حکم سے متعلق اختصار کے ساتھ کچھ گزارشات پیشِ خدمت ہیں۔

رمز کی لغوی تعریف

رمز لغت میں اشارہ وایماء کو کہتے ہیں۔ فیروز آبادی نے کہا: لفظ ''الرَّمْزُ'' (ضمہ اور حرکت کے ساتھ یعنی: الـرُّمْزُ، الرَمَزُ) اشارہ وایماء کو کہتے ہیں، خواہ یہ اشارہ وایماء ہونٹوں سے، یا آنکھوں سے، یا بھؤں سے، یا منہ سے، یا ہاتھ سے، یا زبان سے کیا جائے۔ [۲] زمخشری نے کہا: اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''قَالَ أٰيَتُکَ أَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا ''[۳] میں ''إِلَّا رَمْزًا'' سے ہاتھ یا سر وغیرہ سے اشارہ کرنا مراد ہے۔ رمز کا اصل معنی حرکت ہے، ''ارتـمز'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی چیز حرکت کرے، اسی سے دریا وسمندر کو ''الـراموز'' کہا جاتا ہے۔ [۴] رمز کے بارے میں ایک شاعر کا شعر بھی ہے جو انہوں نے صحیح بخاری میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تراجم ابواب کے بارے میں کہا ہے:

أعيـا فـحـول الـعـلـم حـلّ رمـوز مـا
أبــداه فـي الأبـواب مــن أســرار [۵]

یعنی ''امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کے تراجمِ ابواب میں جو اسرار ورموز (اشارات) رکھے ہیں، ان کے حل کرنے اور بیان کرنے نے بڑے بڑے علماء کو تھکا دیا ہے۔''

رمز کی اصطلاحی تعریف

''هو الإشارة لـكـلمة أو أكثر ببعض حروفها، أو برقم عددي أو بغير ذلک طلبا لـلاختصار''، یعنی اختصار کی غرض سے کسی کلمہ یا جملہ کے ایک یا بعض حروف کے ذریعہ سے، یا کسی عددی نمبر وغیرہ کے ذریعہ اس کلمہ یا جملہ کی طرف اشارہ کرنے کو اصطلاح میں رمز کہتے ہیں۔ یہ تعریف فنِ حدیث اور اس جیسے دوسرے فنون کے لیے ہے، جب کہ دیگر فنون ادب و بلاغت وغیرہ کی مناسبت اور اس کے علاوہ تعریفات ذکر کی گئی ہیں۔

رموز واشارات کا مقصد

ان رموز واشارات کا بڑا مقصد ان کلمات کو اختصار کے ساتھ بیان کرنا ہے جو فنِ حدیث میں بکثرت تکرار کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، جیسے: ''حدثنا'' اور ''أخبرنا'' وغیرہ، اس لیے کہ پہلے زمانہ میں کتابوں کا لکھنا، نقل کرنا اور کتابت ہاتھ سے ہوا کرتی تھی، اس لکھنے اور نقل کرنے میں بہت سارا وقت لگتا تھا، جب کہ لکھنے والوں کی قلت کے ساتھ ساتھ ورق، قلم اور دوات بھی عام دستیاب نہیں ہوا کرتے تھے، اسی وجہ سے لوگ فنِ مختصر نویسی اور ان جیسے اصطلاحی رموز واشارات کو اختیار کرنے اور

استعمال کرنے پر مجبور ہوئے۔

ابن عساکرؒ کا قول

ابن عساکرؒ نے اپنی کتاب ''المعجم المشتمل علی ذکر أسماء شیوخ الأئمة النبل'' کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ: عجلت پسند کاتب کی آسانی کے لیے میں ہر امام کے نام کی جگہ ایک حرف مقرر کروں گا جو اس پورے نام پر دلالت کرے گا۔ (۶)

غیر مشہور رمز کا استعمال

علماء کرام نے اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ کاتب کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ایسا غیر مشہور رمز استعمال کرے جسے اس کے علاوہ کوئی نہ جانتا ہو، مگر یہ کہ وہ اس کو واضح کرے کہ یہ فلاں چیز کا رمز ہے۔

خلافِ عرف رموز کا استعمال

علامہ ابن دقیق العیدؒ نے فرمایا کہ: انسان کو چاہیے لوگوں کی عادت وعرف سے ہٹ کر وہ ایسی اصطلاح اختیار نہ کرے کہ جسے اس کے علاوہ کوئی اور نہ جانتا ہو، میں نے ایک شیخ کے پاس ایک (جزء) رسالہ پڑھا، ان کا کاتب (کلمات کے) کاف کی جگہ خاء کے مشابہ کوئی علامت لگایا کرتا تھا، تاکہ وہ دوسرے نسخہ پر دلالت کرے، اس سے بعض جگہ کسی کلمہ کے حذف اور کسی جگہ کلمہ کے اثبات کا پتہ چلتا تھا، مجھے پورا رسالہ پڑھنے کے بعد ان کی اس اصطلاح کا علم ہوا جس کی وجہ سے مجھے وہ سارا رسالہ دوبارہ پڑھنا پڑا۔ (۷)

غیر مانوس اصطلاح کا حکم

علامہ سخاویؒ نے فرمایا کہ: بعض علامات کو سمجھنے کے لیے خود اس کے مقرر کرنے والے کو بھی دوسری علامت کی ضرورت ہوتی، چناں چہ یہ مناسب نہیں کہ غیر مانوس اصطلاح لائی جائے، جیسا کہ ابن صلاحؒ نے فرمایا ہے۔ (۸) علامہ عراقیؒ نے فرمایا:

وَإِنْ أَتٰـــی بِـــرَمْـــزِ رَاوٍ مَیَّـــزَا
مُـــرَادَہُ وَاخْتِیْـــرَ أَنْ لاَ یَـــرْمِـــزَا (۹)

''اگر کسی راوی کی روایت کو بیان کرنے کے لیے ایسا رمز لائے جس سے اس کے علاوہ کوئی واقف نہ ہو تو یہ طے شدہ ہے کہ وہ ایسا رمز استعمال نہ کرے۔''

علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وضاحت

محدثین کی عادت یہ ہے کہ جب کسی کتاب کا مختلف طرق سے سماع کرتے ہیں تو اختلافِ روایات کو بھی بیان کرتے ہیں، ہر روایت کے ساتھ اس کے راوی کا یا تو مکمل نام بیان کرتے ہیں، پورا نام بیان کرنا

رفعِ التباس کے لیے زیادہ بہتر ہے، یا ایک دوحرف پر مشتمل ایسا رمز بیان کرتے ہیں جو راوی کے مکمل نام پر دلالت کرے، جیسا کی یونینی نے صحیح بخاری کے اپنے نسخہ میں کیا ہے۔ اگر روایات کے سلسلہ میں رموز استعمال کرنے والے نے کتاب کے شروع یا آخر میں رموز کی مراد کو بیان کیا ہے تو رموز کے استعمال میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ یونینی نے کیا ہے، اور اگر مراد بیان کیے بغیر غیر معروف رموز استعمال کیے تو ایسا کرنا پسندیدہ نہیں، کیوں کہ ایسا کرنا قاری کو رموز کی مراد کو سمجھنے کے لیے حیرت میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔

محدثین کے نزدیک رموز کے استعمال کی تاریخ

محدثین ایک زمانہ سے رموز کو استعمال کرتے چلے آرہے ہیں، شاید دیگر کے مقابلہ میں سب سے پہلے رموز محدثین ہی نے استعمال کیے، جیسا کہ تحویلِ سند (ایک سند سے دوسری سند کی طرف منتقل ہونے) پر دلالت کرنے کے لیے انہوں نے لفظ ''ح'' کو استعمال کیا۔

اصطلاحی معنی میں رموز کا استعمال

ڈاکٹر محمد سلیمان اشقر صاحب نے کہا کہ ایک مخصوص معنی پر دلالت کرنے کے لیے محدثین کی کتب میں ایک یا زائد حروف پر مشتمل رمز بعد کے زمانہ میں استعمال ہوا ہے، اس خاص معنی میں ابن صلاحؒ (المتوفی:۶۴۳ھ) سے قبل کسی نے اس اصطلاح کو استعمال نہیں کیا، اگر چہ عملی طور سے رموز اس سے پہلے بھی استعمال ہوتے رہے ہیں۔ بعض محدثین نے کثیر الاستعمال الفاظ میں اختصار کی غرض سے ان مخصوص رموز کو استعمال کیا، جیسا کہ ''نا'' اور ''أنا'' کو بمعنی ''حدثنا و أخبرنا'' اور ''ق'' کو بمعنی ''قال'' استعمال کیا۔ اس طرح رموز کا استعمال خطیب بغدادیؒ (المتوفی:۴۶۳ھ) کی کتابوں میں زیادہ پایا جاتا ہے، بلکہ ان سے پہلے امام مسلمؒ (المتوفی:۲۶۱ھ) نے تحویلِ سند (ایک سند سے دوسری کی طرف منتقل ہونے کو بیان کرنے کے لیے) ''ح'' کا رمز استعمال کیا۔

رموز کے لیے ''العلائم'' کی اصطلاح

صاحب جامع الاصول علامہ ابن اثیرؒ (المتوفی:۶۰۶ھ) نے کتبِ حدیث کے ناموں کے لیے مختلف رموز استعمال کیے اور ان کا نام ''العلائم'' یعنی نشان رکھا، جیسا کہ صحیح بخاری کے لیے لفظ ''خ'' اور سننِ ترمذی کے لیے لفظ ''ت'' استعمال کیا۔ ان کے بھائی صاحب اسد الغابۃ علامہ ابن اثیر جزریؒ (المتوفی:۶۳۰ھ) نے بھی ان رموز کا نام ''العلائم'' ہی رکھا ہے۔(۱۰)

''العلامۃ'' یعنی علامت کی اصطلاح

اس طرح کے رموز کے لیے ''العلامۃ'' یعنی علامت کی اصطلاح بھی پہلے سے مستعمل ہے، امام

ابوحامد غزالیؒ (المتوفی: ۵۰۵ھ) فقہ شافعی کے بارے میں اپنی کتاب ''الوسیط'' میں کچھ رموز استعمال کیے اوران کا نام ''العلامات'' رکھا ہے، جیسا کہ لفظ ''ح'' امام ابوحنیفہؒ کے لیے اور لفظ ''ق'' امام شافعیؒ کے اقوال میں سے کسی ایک قول کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیا۔

رمز کا سب سے پہلے استعمال

بظاہر لفظ رمز کا استعمال سب سے پہلے ابن صلاح نے کیا، البتہ انہوں نے کتبِ حدیث کے نام کے لیے استعمال نہیں کیا، بلکہ الفاظِ حدیث کے اختصار کے لیے استعمال کیا، جیسا کہ پہلے گزرا۔ جب کہ کتبِ حدیث کے ناموں کے رموز کے لیے ''العلامات'' کی اصطلاح مندرجہ زمانہ تک استعمال ہوتی رہی، چناں چہ علامہ مزیؒ (المتوفی: ۷۴۲ھ) اور حافظ ابن حجرؒ (المتوفی: ۸۵۲ھ) کی مؤلفات میں ''العلامات'' ہی استعمال ہوتا رہا، یہاں تک امام سیوطیؒ (المتوفی: ۹۱۱ھ) کا زمانہ آیا تو انہوں نے کتابوں کے اسماء کے لفظ ''رمز'' استعمال کیا، اس کے بعد یہ لفظ عام ہوا اور اسی کے استعمال کو غلبہ ہوا۔ (۱۱) بعض رموز محدثین و غیر محدثین کے درمیان مشترک ہیں، جیسا کہ ''ح'' اور ''خ''۔ (۱۲)

رموز کی اقسام

الف: رموز کی تقسیم باعتبار عدد حروف

حروف کی تعداد کے اعتبار سے رموز کی چھ قسمیں ہیں: ۱: - ایک حرف پر مشتمل رمز، جیسے: ''خ''۔ ۲: - دو حروف پر مشتمل رمز، جیسے: ''طب''۔ ۳: - تین حروف پر مشتمل رمز، جیسے: ''تخص''۔ ۴: - چار حروف پر مشتمل رمز، جیسے: ''قثنا'' ۵: - پانچ حروف پر مشتمل رمز، جیسے: ''أرناہ''۔ ۶: - چھ حروف پر مشتمل رمز، جیسے: ''ھـ ص ش ظ لا''

ب: وضع کے اعتبار سے رموز کی اقسام:

وضع کے اعتبار سے رموز کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:..... پہلی قسم ان رموز کی ہے جنہیں اسانید کے سیاق میں بکثرت مکرر آنے والے الفاظ کے لیے تخفیف کی غرض سے وضع کیا گیا ہے۔ ان رموز کے وجود میں آنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ احادیث کا املا کروانے والا جب سرعت کے ساتھ املا کرواتا تو سامع لکھتے وقت بعض کلمات کو اختصار کی غرض سے حروف سے بدل کر لکھ لیا کرتا تھا، لکھنے والے کو یہ یقین ہوتا تھا کہ کہ بعد میں وہ کلمہ محذوفہ کو پہچان لے گا، کیوں کہ وہ کلمہ بکثرت وارد ہوا کرتا تھا۔

وہ رموز جنہیں محدثین نے تخفیف کے لیے استعمال کیا: ۱: - ''ق'' بمعنی ''قال''۔ ۲: - ''ح'' برائے

تحویلِ سند۔۳:-’’ثنا‘‘اور’’دثنا‘‘ بمعنی’’حدثنا‘‘۔۴:-’’أنا‘‘اور’’أرنا‘‘ بمعنی’’أخبرنا‘‘۔

دوسری قسم:.....دوسری قسم ان رموز کی ہے جو انسائیکلو پیڈیا طرز کی ان کتابوں میں استعمال کیے گئے جن میں احادیث کی کتبِ مسندہ ایک سے زائد مصادر سے جمع کی جاتی ہیں، ان رموز کی ضرورت اس وقت محسوس کی گئی جب حدیث کی کتبِ مسندہ کو ایک ہی جگہ ضخیم کتب میں جمع کیا جانے لگا۔ سب سے پہلے یہ کام علامہ مبارک بن محمد بن اثیر جزریؒ (المتوفی:۶۰۶ھ) نے اپنی مشہور کتاب’’**جامع الأصول من أحادیث الرسول**‘‘میں کیا، جسے انہوں نے رزین عبدریؒ کی کتاب کی بنیاد پر مرتب کیا تھا، ان کی یہ کتاب کتبِ ستہ: صحیحین بخاری ومسلم، سننِ ترمذی، ابوداود، نسائی اور موطا امام مالک پر مشتمل ہے، ابن اثیرؒ نے حدیث کی مذکورہ کتبِ مسندہ کے لیے چھ رموز پر مشتمل ایک جدول قائم کیا۔

رموز کی تعداد

علامہ جزریؒ کے منہج کی پیروی کرنے والوں نے ان رموز میں کچھ تبدیلی اور اضافہ بھی کیا، یہاں تک کہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے دور میں ایک ہی جست میں رموز کے اس جدول کو ۳۴ تک پہنچایا، اس کے بعد سے لے کر عصرِ حاضر تک کہ جس میں وسیع انسائیکلو پیڈیاز اور فہارس کی ضرورت واضح ہوچکی ہے، تو ان کے منہج پہ چلنے والوں نے تبدیلی اور اضافہ کرکے اس جدول کو ۶۷ رموز تک پہنچایا اور بعض نے اس میں مزید بھی اضافہ کیا ہے۔

ج: جواز اور منع کے اعتبار سے رموز کی تقسیم

جواز اور منع کے اعتبار سے رموز کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:.....جائز رموز

یہ وہ رموز ہیں جنہیں اہلِ فن وضع کیا کرتے ہیں اور لفظی اعتبار سے اس میں کسی طرح کوئی خرابی یا شریعت میں قابلِ تعظیم کسی چیز کی بے ادبی بھی نہیں ہوتی ہے۔ عام طور علماء امت نے پہلے اور آج بھی رموز کی یہی قسم وضع کی ہے، وضع اور استعمال میں یہی قسم غالب ہے۔ شیخ بکر ابوزید نے کہا کہ ایسی مختصر اصطلاحات جن میں کوئی محذور شرعی نہ ہو ان میں کوئی حرج نہیں، اسی پر محدثین وغیرہ اہلِ علم کا تعامل ہے، ان میں سے ہر ایک صاحبِ علم اپنی کتاب کے مقدمہ میں اپنی اصطلاح کی وضاحت کرتا ہے۔ علماءِ مصطلح الحدیث کو مصطلح الحدیث کی کتابوں میں’’**معرفة الرموز**‘‘کے عنوان سے تنبیہ کرنے کی ایک گونہ فضیلت حاصل ہے۔ (۱۳)

دوسری قسم:.....ممنوع رموز

یہ وہ رموز ہیں جن میں کوئی لفظی محذور پایا جاتا ہو یا شریعت میں قابلِ تعظیم کسی چیز کی بے ادبی

کا اندیشہ ہو۔ شیخ بکرابوزید نے رمز ''تع'' کے بارے میں کہا کہ یہ لفظ ''تعالی'' کا اختصار ہے، اللہ تعالیٰ کا تذکرہ آئے تو اسے استعمال کیا جاتا ہے، بعض متاخرین نے اختصار کے پیشِ نظر یہ اصطلاح وضع کی ہے، مستشرقین کی دسیسہ کاری سے اہلِ اسلام کی بعض کتابوں کے ناشرین میں یہ اصطلاح رواج پا چکی ہے، حالاں کہ یہ ایک فاسد اصطلاح ہے۔ ان اصطلاحاتِ ممنوعہ میں سے بعض کا تعلق اللہ تعالیٰ کی تمجید وتقدیس سے ہے، بعض کا تعلق انبیاء ورسل پہ درود وسلام بھیجنے کے ساتھ ہے اور بعض ترضی اور ترحم سے متعلق ہیں، اس طرح کی تمام اصطلاحات فاسد ہیں، ان کا استعمال آداب کے خلاف ہے، اور بعض میں ظاہری اعتبار سے ایسا معنی پایا جاتا ہے جو کہ درست نہیں ہوتا، اگرچہ وہ معنی مرادی نہیں ہوتا، پھر بھی ایسی اصطلاح کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیے، ایک مسلمان کو لکھتے اور بولتے وقت ان الفاظ کو پورا پورا ادا کرنا چاہیے اس یقین کے ساتھ کہ اس میں بڑا اجر وثواب ہے۔

رموزِ ممنوعہ کی مثالیں

ان رموزِ ممنوعہ کی مثالیں جن کا استعمال ادب کے خلاف اور اجر سے محرومی کا باعث ہے: ۱:-''رض'' یہ ''رضي الله عنه'' کا اختصار ہے۔ ۲:-''رح'' یہ ''رحمه الله'' کا اختصار ہے۔ ۳:-''صلعم'' یہ ''صلی الله عليه وسلم'' کا اختصار ہے۔ (۱۴)

حوالہ جات

۱:- دیکھیے: رموز محدثین کا انسائیکلو پیڈیا، ص:۴، ۵، مدرسہ فاروقیہ، گلگت۔

۲:- القاموس المحیط، ص:۱۲، (رمز)، تاج العروس، (رمز)

۳:- آل عمران:۴۱، ترجمہ: (اللہ نے) فرمایا کہ تیری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن اشارے کے سوا بات نہ کرسکو گے۔

۴:- الکشاف، ج:۱، ص:۴۲۹

۵:- إرشاد الساری، ج:۱، ص:۴۵

۶:- المعجم المشتمل، ص:۳۶

۷:- الاقتراح فی بیان الاصطلاح، ص:۴۲

۸:- فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث، ج:۳، ص:۶۰

۹:- شرح التبصرۃ والتذکرۃ، ص:۱۵۱، البیت رقم:۵۶۹

۱۰:- علامہ صفدیؒ نے کہا کہ جب حدیث کی کتب صحاح: صحیح بخاری، مسلم، موطا، سنن ترمذی، نسائی، ابوداود اور ابن ماجہ جب محدثین کے درمیان شہرت اختیار کر گئیں تو ان میں سے ہر ایک کے لیے مخصوص رمز مقرر کیا گیا، جیسا کہ صحیح بخاری کے لیے لفظ ''خ''، صحیح مسلم کے لیے لفظ ''م''، موطا مالک کے لیے لفظ ''ط''، سننِ ترمذی کے لیے لفظ ''ت''، سنن نسائی کے لیے لفظ ''ن''، سنن ابی داود کے لیے لفظ ''د'' اور سننِ ابنِ ماجہ کے لیے لفظ ''ق'' مقرر کیا گیا۔ (الوافی بالوفیات، ج:۱، ص:۵۳)

۱۱:- ترمیز کتب الحدیث، بحث منشور فی مجلۃ الحکمۃ، عدد:۳۱، وانظر عن نشاۃ ہذہ الرموز عند المحدثین وغیرہم کتاب مناہج العلماء المسلمین فی البحث العلمی، ص:۹۶-۱۰۱

۱۲:- موسوعۃ علوم الحدیث وفنونہ، ج:۲، ص:۵۹۵

۱۳:- معجم المناہی اللفظیۃ، ص:۲۰۴

۱۴:- معجم المناہی اللفظیۃ، ص:۲۰۳-۲۰۴

مرابحہ مؤجَّلہ

مولوی فضل الرحمٰن
متعلم تخصص فقہِ اسلامی، جامعہ

اِرتقائی، واقعاتی اور تجزیاتی مطالعہ (پہلی قسط)

''تخصص فقہِ اسلامی تعلیمی سال ۱۴۴۰ھ کے تیسرے سہ ماہی میں تخصص کے طلبہ کے سامنے بندہ نے اسلام کی طرف منسوب مروجہ بینکوں کے بارے میں مختلف عناوین پر محاضرے پیش کیے، مختلف طلبہ اپنی دلچسپی اور سہولت کے مطابق کچھ محاضرات ضبطِ تحریر میں لائے۔ ان موضوعات میں سے ایک موضوع ''سرمایہ دارانہ معیشت کے زیر اثر مرابحہ مؤجلہ کا مطالعہ'' بھی تھا، شرکاءِ تخصص میں سے مولوی فضل الرحمٰن سلمہٗ نے راقم کے افادات کو جمع کیا اور اس کی روشنی میں اپنے انداز سے اس تقریر کو مزید تحقیق وتخریج کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی، جسے غیر سودی بینک کاری کے اصلاحی سلسلوں میں شمولیت کے لائق قرار دیتے ہوئے شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے۔'' (رفیق احمد)

حرفِ اول

اس مقالے کا مقصد ایک مبتدی کے طور پر یہ سمجھنا اور سمجھانا ہے کہ تدریجی بنیادوں پر ''مرابحہ مؤجَّلہ'' اول تا حال کن ادوار سے کیسے متعارف ہوا ہے؟! پھر اصل واقعے کے پسِ منظر کی روشنی میں علمائے عصر کے اختلاف کی نوعیت سے واقفیت اور حقیقی صورتِ حال سے آگاہی حاصل کرنا ہے۔ نیز اُن کے تحریری و جوابی سلسلوں کی کتابوں کو تجزیاتی مطالعے کے مرحلے سے گزارنا بھی اس مقالے کا ایک مقصد ہے، چنانچہ وہ قاری کہ جس نے کبھی بینک کاری کے ساتھ ''مرابحہ مؤجَّلہ'' کا نام تک نہ سنا ہو، یا مرابحہ کے ساتھ مؤجلہ کا لفظ دیکھا اور سنا نہ ہوتو وہ اس مقالے کو پڑھ کر نا صرف یہ کہ ''مرابحہ مؤجَّلہ'' کو کسی حد تک سمجھ لے گا، بلکہ اس کی واقعاتی تہہ تک بھی بہ آسانی پہنچ جائے گا اور اگر کوئی قاری اس واقعے کے پسِ منظر کو ذہن میں رکھ کر آگے تجزیاتی مطالعہ کے لیے قدم بڑھائے گا تو ان شاء اللہ! اس کو حقیقی صورتِ حال تک رسائی میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی، ان شاء اللہ!

نکتۂ بحث

اس وقت بینکوں میں ''مرابحۂ مؤجّلہ'' کی بنیاد پر وسیع پیمانے کے ساتھ معاملات ہو رہے ہیں، گویا کہ اسلامی بینک کا اصلی نام یا دوسرا نام ''مرابحہ مؤجّلہ'' ہے، ''مرابحہ مؤجّلہ'' کا جو حکم ہوگا اسی کو اسلامی بینک کا حکم قرار دیا جائے گا، اس لیے ہم ''مرابحہ مؤجّلہ'' پر قدرے تفصیلی بحث کی کوشش کرتے ہیں۔

اسلامی بینک میں ''مرابحہ مؤجّلہ'' کا تناسب

ڈاکٹر محمود احمد غازی کی کتاب میں ہے۔

''اس وقت مرابحہ کے نام پر جو کاروبار ہو رہا ہے وہ بیشتر اسلامی بینکوں کا اگر ۹۹ نہیں، ۸۰-۹۰ فیصد تو ضرور ہے۔''(۱)

''غیر سودی بینک کاری'' میں ہے:

''اس وقت غیر سودی بینکوں میں جو طریقہ سب سے زیادہ رائج ہے، وہ مرابحہ مؤجلہ کا طریقہ ہے۔''(۲)

اس لیے اس موضوع پر ابتداء تا انتہاء مطالعہ کا داعیہ دل میں پیدا ہوا، چنانچہ مطالعہ کیا، مطالعہ کے نتیجے میں جو باتیں سامنے آئیں، ان کو یہاں سپردِ قلم کیا جاتا ہے:

اسلامی بینکوں میں مرابحہ کو اتنی قبولیت و پذیرائی کیوں ملی؟ بینکوں میں مرابحہ کی حیثیت کیا ہے؟ کیا مرابحہ حیلہ ہے؟ بینک مرابحہ کو کیوں عزیز رکھتا ہے؟ نفع ونقصان میں شرکت کی بنیاد پر معاملات کرنے کو بینک کیوں تیار نہیں؟

یہ اور ان جیسے کئی سوالات کا ہم مطالعاتی تناظر میں جائزہ لیں گے۔ یہی ہمارا نکتۂ بحث ہے۔ لیکن اس سے پہلے تمہید کے طور پر ہم اسلام کے معاشی نقطۂ نظر اور سرمایہ دارانہ نظام پر کچھ تعارفی گفتگو کریں گے، گو کہ تمہید قدرے طویل محسوس ہو، لیکن طوالت فائدہ سے خالی نہیں ہوگی، اور مقصد سے دوری کی بجائے قریب کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ ان شاء اللہ!

آیئے! سب سے پہلے ہم اسلام کا معاشی نقطۂ نظر پڑھتے ہیں:

اسلام کا معاشی نقطۂ نظر

یہ حقیقت ہے کہ انسانی معاشرہ کو تباہ و برباد اور نظامِ معیشت کو درہم برہم کردینے والی تمام تر خرابیوں اور بدکاریوں کی جڑ قومی معیشت میں ہوسِ زر اور اس کے نتیجے میں پروان چڑھنے والی

''زراندوزی'' ہے، جس کو معاشیات کی اصطلاح میں ''اِکتنازِ زر'' اور ''اِنجمادِ دولت'' کہتے ہیں۔

اسلام نے اس ''اِکتنازِ زر'' اور ''اِنجمادِ دولت'' کی بیخ کنی کرنے اور دولت کو چند ہاتھوں میں سمٹنے سے بچانے کی یعنی سرمایہ کو متحرک رکھنے کی اور سمٹی ہوئی دولت اور منجمد سرمایہ کو گردش میں لانے کی تین تدبیریں تجویز کی ہیں:

۱:-انفاق ۲:-زکوٰۃ وصدقات واوقاف ۳:-توریث ووصیت

اور زراندوزی کو جنم دینے اور پروان چڑھانے والے تین حرام ذرائع:

۱:-سوداور سودی کاروبار ۲:-جوا، سٹہ اور بیمہ کاری ۳:-بیوعِ فاسدہ

یعنی ناجائز معاملات کو قطعاً حرام یا ممنوع قرار دیا ہے۔ (۳)

اسلام کے معاشی نظام کو ''اِکتنازِ دولت'' سے محفوظ رکھنے کی اہم ترین انفاق سے متعلق ان چند آیات پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔ (۴) ....ان آیات کی روشنی میں اس انفاق کے مصارف ومدات کی تشخیص وتحدید حسبِ ذیل ہے:

مستقل انفاقات

۱:- اہلِ خانہ! خود، بیوی، نابالغ یا ضرورت منداولاد، ضرورت مند ماں باپ، عبید واماء، موجودہ زمانے میں ان کی جگہ نوکر وخادمِ اہل۔

۲:- کنبہ، ضرورت مند قرابت دار الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے، مجبور ومعذور قرابت دار، اہلِ محلّہ، ضرورت مند ہمسایہ قریب، ہمسایہ بعید، شریکِ حرفہ وکسبِ معاش۔

۳:- اہلِ ملک! یتیم قرابت دار وغیر قرابت دار، مساکین ومحتاجین، خواہ سائل ہوں خواہ غیر سائل۔

۴:- اہلِ حرفہ وشرکاء کار قومی وملکی! مصارفِ حرب ودفاع ورفاہِ عام۔

عارضی انفاقات

غیر مستطیع مسافر، غیر مستطیع مدیون، خسارہ زدہ (دیوالیہ) تاجر وکاروباری۔ (۵) وقف اور وصیت' انفاق فی سبیل اللہ کی ایک ایسی دو اہم ترین صورتیں ہیں جو مسلمان اغنیاء کے پاکیزہ جذبۂ برّ و احسان اور خدمتِ خلق کا عظیم تر مظہر اور معاشی اعتدال کو استوار رکھنے کا زبردست وسیلہ ہیں۔ (۶)

اسلامی شریعت نے مختلف عنوانات سے موقت اور غیر موقت صدقات اور کفارات (بطورِ عقوبت مالی سزا) بہت کثرت سے مسلمانوں کے ذمے عائد کیے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے بھی آس پاس

کے حاجت مندوں کی کافی حد تک معاشی اعانت ہوسکتی ہے۔ (۷)

صدقۂ فطر، فدیۂ صوم، عیدِ قربان، دمِ شکر، کفارۂ صوم وغیرہ اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

اگر ان انفاقات اور زکوٰۃ وصدقات ادا کرتے رہنے کے باوجود سرمایہ جمع ہوبھی جاتا ہے تو اس کی وفات کے بعد اسلامی احکام کے مطابق میراث وہ طریقہ ہے جس سے سرمایہ خواہ کسی بھی صورت میں ہو، متفرق اور متعدد ملکیتوں میں تقسیم ہوکر حرکت میں آجاتا ہے۔

تمام املاک کے ایک فرد (مرنے والا) کے بجائے متعدد افراد، ذکور واناث (مرد بھی عورتیں بھی) مالک بن جاتے ہیں اور انجمادِ دولت کی بیخ کنی ہوجاتی ہے۔ (۸)

غرض اسلام کے معاشی نظام کو استوار رکھنے اور منصفانہ تقسیمِ دولت کے یہ تین بنیادی اصول ہیں:

۱:- مسلمان صاحبِ مال کی ضروریات سے زائد اموال کا مختلف مدات میں انفاق (خرچ کرتے رہنا)۔

۲:- صاحبِ نصاب مسلمان مالداروں کے نمو پذیر اموال اور پیداوار میں سے زکوٰۃ اور عشر یا نصف عشر اور صدقاتِ واجبہ کا ادا کرتے رہنا۔

۳:- مسلمان مرنے والے کی تمام املاک کی ورثاء (ذوی الفروض، عصبات اور ذوی الارحام) پر حسبِ قاعدۂ شرعیہ تقسیم کرنا۔

ان تینوں اصول پر عمل کرنے کی صورت میں کسی اسلامی ملک میں اکتنازِ زر یعنی قومی سرمایہ کے چند ہاتھوں یا چند خاندانوں میں سمٹ کر جام ہوجانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا اور نہ ملک کے ۹۰ فیصد افراد فقر وافلاس کی انسانیت سوز اور مذہب دشمن لعنت میں گرفتار ہوسکتے ہیں اور نہ اسلامی ملک میں اشتراکیت اور سوشلزم کے پروپیگنڈے کے لیے فضا سازگار ہوسکتی ہے اور نہ ملک میں معاشی بحران کا وہ آتش فشاں پہاڑ پھٹ سکتا ہے، جس کا لاوا ملک کے امن وسلامتی کو پھونک سکے۔ (۹)

حوالہ جات وحواشی

۱:- اسلامی بینک کاری، ایک تعارف، ڈاکٹر محمود احمد غازی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، اشاعت دوم: ۲۰۱۳ء، ص:۱۷۱
۲:- غیر سودی بینک کاری، حضرت مفتی محمد تقی عثمانی، مکتبہ معارف القرآن، جنوری ۲۰۱۶ء، ص:۴۷
۳:- اسلامی معاشیات، بنیادی خاکہ، نتیجۂ فکر: مجلس تحقیق مسائل حاضرہ، مکتبہ بینات، ۲۰۱۱ء
۴:- اس نظام کو قرآن واحادیث کی روشنی میں تفصیل سے سمجھنے کے لیے ''اسلامی معاشیات'' کا صفحہ: ۲۵ سے ۶۳ تک کا مطالعہ کیجیے۔
۵:- اسلامی معاشیات، ص:۳۸
۶:- ماخذ سابق: ۵۲
۷:- ماخذ سابق: ۶۰
۸:- اسلامی معاشیات، بنیادی خاکہ، مجلس تحقیق مسائل حاضرہ، ص:۶۲
۹:- اسلامی معاشیات، بنیادی خاکہ، مجلس تحقیق مسائل حاضرہ، ص:۶۳

(جاری ہے)

مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۴

(یتیم پوتے وغیرہ کی میراث)

اسلامی احکام کی روشنی میں تحقیقی جائزہ (چوتھی اور آخری قسط)

ڈاکٹر مولانا انعام اللہ
چیف ریسرچ آفیسر اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد

عائلی قوانین کی دفعہ ۴: ’’وراثت‘‘ اصول اربعہ کی روشنی میں

جب ہم ان اصولِ اربعہ ثابتہ بالکتاب والسنۃ کی روشنی میں عائلی قوانین کی دفعہ ۴: ’’وراثت‘‘ کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ صورت حال سامنے آتی ہے کہ اس دفعہ میں ان تمام اصولوں کی کھلی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔

پہلے اصل کی خلاف ورزی

’’مورث کی وفات کے وقت زندہ موجود ورثاء وارث ہوتے ہیں۔‘‘ اس اصل کی خلاف ورزی اس لحاظ سے کی گئی ہے کہ اس دفعہ کی روح یہ ہے کہ ترکہ میں سے مرنے والے بیٹے یا بیٹی کے حصے کا حقدار اس کی اولاد قرار دی گئی، یعنی مرنے والے کا بیٹا یا بیٹی وارث ہے، اور پوتوں/نواسوں کے حصہ مقرر کرنے میں معیار بیٹے یا بیٹی کا حصہ ہے۔ درحقیقت بیٹے یا بیٹی کے حصے کے حقدار پوتے/نواسے ہیں، چونکہ پوتوں/نواسوں کا اپنا حصہ تو ہے نہیں اور اگر بعض صورتوں میں ان کا حصہ ہے بھی، تو وہ یہی حصہ نہیں، اس کی حیثیت اور مقدار مختلف ہے، اس کا حاصل یہ ہوا کہ (مرحوم) بیٹے ہی کو وارث وحقدار قرار دیا گیا ہے۔ اس میں دوخرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور ہے: اگر تو یہ فرض کرلیا جائے کہ مرحوم بیٹا اپنی حیات میں اپنے والد (دادا) کی میراث وترکہ میں سے حقدار ٹھہر گیا تھا، جو اس کی وفات کے بعد اس کی اولاد (پوتوں/نواسوں) کو ملے گا، تو لازم آئے گا کہ زندہ شخص کے مال کو ترکہ قرار دیا گیا، حالانکہ جب تک کوئی شخص زندہ ہوتا ہے اس کا مال ترکہ نہیں ٹھہرتا۔ اور اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ مرحوم (بیٹا) والد کی وفات پر حقدار ٹھہر گیا تو

لازم آئے گا کہ مرے ہوئے شخص کو وارث قرار دیا گیا۔ اور دونوں صورتیں اس شرعی اصل کے خلاف ہے کہ زندہ شخص کا مال ترکہ نہیں بن سکتا اور مرا ہوا شخص وارث نہیں بن سکتا۔

دوسرے اصل کی خلاف ورزی

’’ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوتا ہے۔‘‘ عائلی قوانین کی دفعہ۴: ’’وراثت‘‘ کی رو سے ایک شخص (دادا) کا صلبی بیٹا مرتا ہے اور وہ اپنے پیچھے ایک بیٹی (پوتی) چھوڑ جاتا ہے تو دادا کی وفات کے وقت اس پوتی کو دادا کے مال (ترکہ) میں سے اپنے والد کا حصہ ملے گا۔ ایسی صورت میں عین ممکن ہے کہ اس بچی کو مرد کے حصے کے برابر حصہ ملے، نہ کہ آدھا، مثلاً:

خالد (دادا)

حمید (مرحوم) بیٹا — مجید (زندہ بیٹا) ایک حصہ

سلمیٰ (پوتی) ایک حصہ

عائلی قانون کی رو سے سلمیٰ (پوتی) کو اپنے مرنے والے والد حمید (مرحوم بیٹا) کا حصہ پورا ملے گا، جو مجید (دوسرا زندہ بیٹا) کے حصے کے برابر ہوگا، جو کہ ’’لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ‘‘ کے قرآنی اصول سے مکمل طور پر متصادم ہے۔

تیسرے اصل کی خلاف ورزی

’’صلبی اولاد کی طرح دیگر رشتہ دار بھی وارث ہوتے ہیں۔‘‘ عائلی قوانین کی دفعہ۴: ’’وراثت‘‘ میں اس اصل کی اس طرح خلاف ورزی کی گئی ہے کہ اس دفعہ کی رو سے مرنے والے بیٹے/ بیٹی کی صرف اولاد کو وارث قرار دیا گیا ہے، حالانکہ قرآنی نصوص میں صراحۃً مذکور ہے کہ اولاد کی طرح دوسرے رشتہ داروں (ماں، باپ، بیوی، شوہر اور کلالہ کی صورت میں بھائی اور بہن) کو بھی وارث بنایا ہے۔

اگر زیرِ بحث دفعہ کی رو سے مرنے والے بیٹے (بیٹی کو والد (دادا) کے انتقال کے وقت زندہ فرض کر کے اس کی اولاد (پوتے/ نواسے) کو وارث بنایا گیا ہے تو پھر اس کے دیگر رشتہ داروں کو بھی وارث قرار دیا جائے، اس لیے کہ دیگر رشتہ داروں کو وارث قرار دینے کی ٹھوس بنیاد موجود ہے، اس لیے کہ اگر تو پوتے/نواسے کا استحقاقِ میراث قرابت داری کی بنیاد پر ہو تو قرآن نے دیگر قرابت داروں کو مستحقِ میراث تسلیم کیا ہے۔ اور اگر پوتے/نواسے کا استحقاقِ میراث ہمدردی کی بنیاد پر ہو تو دیگر رشتہ دار بھی ہمدردی کے محتاج ہیں، بلکہ بعض اوقات تو پوتے/نواسے سے زیادہ محتاجِ ہمدردی ہوتے ہیں، مثلاً: مرنے والے کی بوڑھی ماں اور بے سہارا بیوہ بھی تو آخر محتاجِ ہمدردی ہیں۔ بہرحال اس حوالے سے اس دفعہ میں تیسرے اصل کی بھی خلاف ورزی کی گئی ہے۔

چوتھے اصل کی خلاف ورزی

’’ہر وارث وارث ہوتا ہے خواہ اس کی اولاد ہو یا نہ ہو۔‘‘

عائلی قوانین کی دفعہ۴: ’’وراثت‘‘ میں اس اصل کی خلاف ورزی اس حوالے سے کی گئی ہے کہ مرحوم بیٹے کو اس صورت میں اپنے والد (دادا) کا وارث قرار دیا گیا ہے، جبکہ اس کی اولاد (پوتے/نواسے) ہوں، اگر اس کی اولاد نہ ہو تو اس صورت میں وہ وارث نہیں، چنانچہ اگر ایک شخص کا بیٹا اس کی حیات میں لاولد ہو کر مرتا ہے، یعنی شادی سے پہلے مر جاتا ہے یا شادی کے بعد، لیکن اولاد چھوڑ کر نہیں مرتا، تو اس دفعہ کی رو سے وہ مستحق میراث نہیں ٹھہرتا اور اگر اولاد چھوڑ کر مرتا ہے تو وارث ٹھہرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے وارث بننے میں اس بات کو دخل ہے کہ اس کی اولاد ہے یا نہیں، حالانکہ قرآن مجید میں ورثاء کے حصے مقرر کرنے میں اس بات کو ہرگز دار و مدار نہیں بنایا گیا ہے کہ وہ وارث بننے والا شخص صاحبِ اولاد ہے کہ نہیں، لیکن اس دفعہ میں یہی فرق روا رکھا گیا ہے، جو قرآنی احکام پر اپنی طرف سے اضافہ کرنے کے مترادف ہے۔

غرض یہ کہ زیرِ بحث دفعہ مکمل طور پر قرآن و حدیث سے متصادم ہے۔ صلبی اولاد اور پوتوں کے متعلق میراث کے واضح شرعی احکام کے مقابلے میں انسانوں کا وضع کردہ حکم ہے، جس پر عمل کرنے کی صورت میں جہاں پوتے سے متعلق احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے، وہاں میراث کے دیگر کئی ایک ضابطوں، اصول اور احکام کی خلاف ورزی بھی ہوتی ہے، لہٰذا اس کو تبدیل کرنا اور قرآن و سنت کی روشنی میں دوبارہ مرتب کرنا ملکی آئین کا تقاضا ہے، جس کے آرٹیکل (۱) میں طے کیا گیا ہے:

’’ایسا کوئی قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو قرآن پاک اور سنت میں منضبط اسلامی احکام کے منافی ہو اور موجودہ قوانین کو ان احکام کے مطابق بنایا جائے گا۔‘‘

یاد رہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے مؤرخہ ۵ جنوری ۲۰۰۰ء کو اپنے تفصیلی فیصلے میں دفعہ۴ کو خلافِ اسلام قرار دیتے ہوئے صدرِ پاکستان کو اسلامی احکام کے مطابق نئی دفعہ شامل کرنے کا کہا، تاہم اس فیصلے کے خلاف شریعت اپلیٹ بنچ، سپریم کورٹ میں اپیل کی گئی، جو تا حال زیرِ التواء ہے۔ (۱)

مزید برآں! اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی اسی دفعہ کو خلافِ اسلام قرار دینے کی سفارش کی ہے، تاہم وفاقی شرعی عدالت اور اسلامی نظریاتی کونسل دونوں نے اپنے فیصلے اور سفارش میں اس بات کا بھی اضافہ کیا ہے کہ دادا وغیرہ پر لازم ہے کہ وہ یتیم پوتا وغیرہ کے لیے وصیت کرے، بصورتِ دیگر ورثاء پر لازم ہوگا کہ وہ مذکورہ اولاد کو نفقہ ادا کریں۔ (۲)

خلاصۂ بحث

۱:- عائلی قوانین ء کی دفعہ کے رو سے صلبی اولاد کی موجودگی میں یتیم پوتا وغیرہ دادا کی میراث

کا مستحق ہوتا ہے۔

۲:-شریعت کے رو سے میراث کا استحقاق قرابت، نکاح اور ولاء پر ہے۔

۳:-ورثاء کے تین درجات (اقسام) ہیں: ۱:-ذوی الفروض۔ ۲:-عصبات ۳:-ذوی الارحام

۴:-احکامِ میراث قرآن وسنت میں مذکور حسبِ ذیل دو قواعد پر مبنی ہیں:

(الف) اقرب (قریبی رشتہ دار) کی موجودگی میں ابعد (دور کا رشتہ دار) محروم ہوتا ہے۔

(ب) بیک وقت تمام رشتہ دار میراث کے مستحق نہیں ہوتے، بلکہ وراثت میں حجب کا قانون جاری ہوتا ہے۔

۵:-ان اصول کی روشنی میں صلبی اولاد کی موجودگی میں پوتا، اگرچہ یتیم ہو، دادا کی میراث کا مستحق نہیں ہوتا۔

۶:-پوتے کے مستحقِ میراث نہ ہونے کا مسئلہ فتاویٰ صحابہؓ میں صراحتاً مذکور ہے، جیسا کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

۷:-فقہ کے چاروں مکاتبِ فکر (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کا صلبی پوتے کی میراث سے محرومی پر اجماع ہے۔

۸:-صلبی اولاد کی موجودگی میں پوتے وغیرہ کو میراث دینے کے نتیجے میں عملی طور پر دیگر تمام مستحق ورثاء کے حصے متاثر ہوتے ہیں۔

۹:-احکامِ میراث کے مزید چار اصول ہیں، دفعہ۴ کو برقرار رکھنے کی صورت میں چاروں اصول کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔

۱۰:-وفاقی شرعی عدالت اور اسلامی نظریاتی کونسل نے دفعہ۴ کو غیر اسلامی قرار دیا ہے، تاہم متبادل کے طور پر وصیتِ لازمہ کی صورت تجویز کی ہے۔

۱۱:-اس لیے مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ:۴ اسلامی احکامِ شریعت سے متصادم ہے، آئین کی دفعہ ۲۲۷ قرار دیتی ہے کہ قرآن وسنت کے منضبط احکام کے مطابق قانون سازی کی جائے گی، لہٰذا اس دفعہ کو ختم کرنا شرعی وآئینی تقاضا ہے۔

۱۲:-یتیم پوتے/پوتیوں کے ساتھ مالی تعاون کی متبادل صورتیں ریاست کی ذمہ داری ہیں، اس سلسلے میں متعدد صورتیں ممکن ہیں۔

مقالہ میں مستعمل بعض اصطلاحات کی توضیح

۱:-ترکہ

وہ مال جس کا میت وفات کے وقت مالک ہو اور اس کے ساتھ براہ راست کسی اور شخص کا حق

متعلق نہ ہو، خواہ وہ مال پاکستان میں ہو یا بیرونِ پاکستان ہو۔

۲:- ذوی الفروض

وہ ورثاء ہیں جن کے حصص قرآن، سنت اور اجماعِ امت میں متعین ہیں۔

۳:- عصبہ نسبیہ

میت کے وہ رشتہ دار ہیں جو ذوی الفروض سے بچا ہوا ترکہ لے لیتے ہیں اور ذوی الفروض نہ ہوں تو تمام ترکہ کے مستحق ہوتے ہیں۔

۴:- عصبہ بنفسہ

وہ تمام قرابت دار مرد جن کی متوفی کے ساتھ سلسلۂ قرابت میں کوئی عورت حائل نہیں ہوتی۔

۵:- عصبہ بغیرہ

یہ چار عورتیں (بیٹی، پوتی، حقیقی بہن اور باپ شریک بہن) ہیں جو بحیثیت ذوی الفروض ہونے کے نصف یا دوتہائی کی مستحق ہوتی ہیں، لیکن اپنے بھائیوں کے ساتھ ہوکر عصبات میں داخل ہوجاتی ہیں اور مذکر عصبہ کی بہ نسبت آدھے کی مستحق ہوتی ہیں۔

۶:- عصبہ مع غیرہ

وہ وارث عورت ہے جو دوسری وارث عورت کے ساتھ مل کر عصبہ ہوجاتی ہے، عصبات کی اس صنف میں صرف دو عورتیں حقیقی اور علاتی بہن داخل ہیں جو بیٹی اور پوتی کے ساتھ عصبہ بنتی ہیں۔

۷:- عصبہ سببیہ

اس سے مولی العتاقہ یعنی غلام کو آزاد کرنے والا مراد ہے۔ سبب سے مراد تعلق ہے۔ معتق یعنی آزاد کرنے والے کا غلام سے نسبی رشتہ نہیں ہوتا، مگر آزاد کرنے کا تعلق ہوتا ہے۔ اگر میت کو آزاد کرنے والا فوت ہوگیا ہو تو ترکہ اس کے عصبہ بنفسہ یعنی اس کے بیٹے، باپ، بھتیجے، چچا اور چچا زادوں کو ملے گا۔ اگر یہ بھی نہ ہوں تو اگر آزاد کرنے والا کسی کا غلام تھا تو اس آزاد کرنے والے آقا کو ملے گا۔

۸:- ذوی الارحام

میت کے وہ رشتہ دار جو نہ اصحابِ فروض ہوں اور نہ ہی عصبہ ہوں۔

حوالہ جات

۱:- اللہ رکھا بنام وفاق پاکستان، ۲۰۰۰ء، وفاقی شرعی عدالت پی ایل ڈی ۲۰۰۰ء-۵

۲:- دیکھئے اسلامی نظریاتی کونسل، سالانہ رپورٹ ۲۰۱۴ء-۲۰۱۳ء، ص: ۱۷۷

[انتہی]

حضرت علامہ محمد جمال بلندشہری رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم دیوبند کے استاذ و درجنوں کتابوں کے مصنف

ڈاکٹر مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی
فاضل دارالعلوم دیوبند، انڈیا

''دارالعلوم دیوبند'' کے استاذِ تفسیر وفقہ وعربی ادب حضرت مولانا محمد جمال بلندشہریؒ کے انتقال کے بعد علمی حلقوں میں کافی رنج وغم کا ماحول ہے، کیونکہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے دارالعلوم دیوبند میں صرف چار اساتذہ باقی بچے تھے۔ اب علامہ جمالؒ کی وفات کے بعد دارالعلوم دیوبند میں صرف تین اساتذہ شیخ الاسلام کے تلامذہ میں سے رہ گئے ہیں: استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی، حضرت مولانا بلال اصغر صاحب دیوبندی اور حضرت علامہ قمرالدین صاحب گورکھپوری۔ اللہ تعالیٰ اِن تینوں حضرات کو صحت وتندرستی کے ساتھ رکھے۔

شارحِ جلالین حضرت مولانا محمد جمال بلندشہریؒ ۱۹۳۶ء میں بلندشہر میں پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم مختلف مدارس سے حاصل کرتے ہوئے پنجم کے سال دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر اپنے تعلیمی سفر کو آگے بڑھایا۔ ۱۹۵۵ء اور ۱۹۵۶ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی مشہور ومعروف کتاب ''صحيح البخاري'' از اوّل تا آخر پڑھی۔ دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۵۶ء میں فراغت کے بعد مولانا مرحوم نے گجرات اور مدراس کے مختلف مدرسوں میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیں۔ آپ اصل میں بلندشہر کے رہنے والے تھے، مگر بعد میں شہر میرٹھ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ حضرت مولانا محمد جمالؒ کی دارالعلوم دیوبند میں استاذ کی حیثیت سے تقرری ۱۹۸۴ء میں ہوئی۔ تفسیر، فقہ اور عربی ادب سے متعلق متعدد کتابیں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں پڑھائیں۔ اسی دوران آپ نے درسی کتابوں کی شرح لکھنے پر اپنا قلم اُٹھایا اور مختلف شروحات تحریر فرمائیں، جن میں ہدایہ، حسامی، مبادئ الاصول اور مقاماتِ حریری کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ لیکن جو قلمی کارنامہ آپ کی عالمی شہرت کا سبب بنا وہ مشہور ومعروف تفسیر ''جلالین'' کی ''جمالین'' کے نام سے اردو شرح

ہے جو چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ حضرت مرحوم کی جلالین کی یہ مذکورہ شرح آپ کے دریائے علم اور بحرِ عرفاں کی غمازی کرتی ہے۔ تقریباً سترہ سال آپ نے تفسیر کی مشہور کتاب ''جلالین'' دارالعلوم دیوبند میں پڑھائی۔ اوّلاً آپ نے آسان زبان میں جلالین کا معنی خیز اردو ترجمہ بنام ''**قرة العينين** '' تحریر کیا جو آج بھی علمی حلقوں میں کافی مقبول ہے۔ ہر مکتبِ فکر کے علماء نے حضرت مرحوم کی خاص کر اِن دونوں کتابوں کو اس طرح ہاتھوں میں لیا کہ آپ ''شارحِ جلالین'' کے نام سے مشہور ہوگئے۔

حضرت مولانا محمد جمال بلندشہریؒ نہ صرف ایک مایۂ ناز مصنف تھے، بلکہ آپ ایک کامیاب استاذ بھی تھے، چنانچہ آپ کی مکمل کوشش رہتی تھی کہ طلبہ پابندی کے ساتھ تعلیم حاصل کریں۔ میں نے بھی حضرت سے مقاماتِ حریری اور جلالین پڑھی ہے۔ حضرت استاذ محترم کو اللہ تعالیٰ نے جہاں دوسرے اوصاف سے نوازا تھا، وہیں آپ کو نرم مزاج، سادہ لوح اور ہر ایک کے لیے مشفق ومحبوب بنایا تھا۔ غصہ کرنا تو درکنار حضرت چہرے پر شکن لانا بھی نہیں جانتے تھے۔ فیشن کے اِس موجودہ زمانہ میں بھی سادہ کرتا پائجامہ ہی آپ زیب تن کیا کرتے تھے۔ احاطۂ مولسری سے مسجدِ قدیم کی طرف نکلتی ہوئی گلی کے کونے میں آپ کا کمرہ تھا۔ کمرہ سے درسگاہ جاکر بچوں کو پڑھانا، مسجدِ قدیم میں جاکر نماز ادا کرنا اور تصنیف وتالیف ہی آپ کا سب سے بڑا مشغلہ تھا۔ استاذ محترم کی دیگر بے شمار خوبیاں تھیں، جن میں مزید ایک خوبی کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت طلبہ کے ساتھ میل جول کے ساتھ رہتے تھے، جس سے طلبہ اپنی باتوں اور ضرورتوں کو حضرت سے شیئر بھی کرلیا کرتے تھے۔ آپ طلبہ کی جائز ضرورتوں کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش فرماتے تھے۔ غرضیکہ علامہ جمالؒ ایک پیکرِ جمال تھے۔ متعدد کتابوں کے مصنف اور دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز استاذ حضرت مولانا محمد جمال بلندشہریؒ ۱۷ محرم الحرام ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۷ ستمبر ۲۰۱۹ء بروز منگل کو میرٹھ میں دارِ فانی سے دارِ بقاء کی طرف کوچ کرگئے۔ آپ تقریباً ۸۳ سال کے تھے اور تقریباً ۳۵ سال سے دارالعلوم دیوبند میں قرآن وحدیث کی عظیم خدمات پیش کررہے تھے۔ گزشتہ سال تک سخت بیماری کے باوجود انتہائی جانفشانی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، لیکن امسال شوال سے سخت علالت کی بنا پر تدریسی سلسلہ منقطع رہا۔ مرحوم کی نمازِ جنازہ دارالعلوم دیوبند کے احاطۂ مولسری میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب نے ادا کرائی، جس میں علماء کرام خاص کر دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم وقف دیوبند کے اساتذہ، طلبہ، مولانا کے آبائی شہر بلندشہر اور میرٹھ سے آنے والے افراد اور دیوبند شہر کی کثیر تعداد کے علاوہ آپ کے ہزاروں شاگردوں نے شرکت فرمائی۔ بعد میں دارالعلوم دیوبند کے مشہور قبرستان ''مزارِ قاسمی'' میں دارالعلوم دیوبند کے اِس عظیم سپوت کو دفن کردیا گیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ استاذِ محترم کی مغفرت فرماکر جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے، آمین۔

صحابیؓ کی تعریف

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

۱:......صحابی کی تعریف رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک کیا تھی؟!

کیا اصطلاحی ''صحابیؓ'' کی جو تعریف کتبِ متداول میں منقول ہے کہ جس کی ایمان کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی ہو اور اسلام پر ہی اس کی وفات ہوئی ہو۔ کیا یہی تعریف رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہؓ کے نزدیک بھی ثابت تھی؟

۲:...... اور مندرجہ ذیل نصوص (قرآنی آیات اور احادیث) میں کیا سب صحابہؓ شامل ہیں؟ (جنہوں نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا یا مختصر ملاقات ہی ہوئی ہو؟) یا ان قرآنی آیات اور احادیث میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین اصحاب ہی شامل ہیں، جنہوں نے آپ کی صحبت میں کافی وقت گزارا ہو؟

الف: ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا.''

ب: ''حدثنا عثمان بن أبي شيبة، حدثنا جرير، عن الأعمش، عن أبي صالح عن أبي سعيد قال: كان بين خالد بن الوليد وبين عبد الرحمٰن بن عوف شيئ، فسبه خالد، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''لاتسبوا أحدا من أصحابي، فإن أحدكم لو أنفق مثل أحد ذهبا ما أدرک مد أحدهم ولا نصيفه.'' (صحیح مسلم، حدیث:۲۵۴۱)

ج:''أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم .... عبد بن حميد في مسنده من طريق حمزة النصيبي عن نافع عن ابن عمرؓ: النجوم أمنة للسماء، فإذا ذهبت النجوم أتى السماء ما توعد وأنا أمنة لأصحابي ، فإذا ذهبت أتى أصحابي ما يوعدون وأصحابي أمنة لأمتي، فإذا ذهب أصحابي أتى أمتي ما يوعدون.'' (صحیح مسلم، حدیث:۲۵۳۱)

د:''حدثنا محمد بن يحي حدثنا يعقوب بن إبراهيم بن سعد حدثنا عبيدة بن أبي رائطة عن عبد الرحمٰن بن زياد عن عبد الله بن مغفل قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''الله الله في أصحابي الله الله في أصحابي لاتتخذوهم غرضا بعدي ، فمن أحبهم فبحبي أحبهم ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم ومن آذاهم فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله ومن آذى الله فيوشک أن يأخذه. قال أبو عيسى: هٰذا حديث حسن غريب لانعرفه إلا من هٰذا الوجه.''

۳:......کیا کسی صحابیؓ (اصطلاح کے لحاظ سے جو متداول ہے) کے غلط عمل کا تذکرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کن شرائط کے ساتھ؟ المستفتی: شوکت

الجواب حامداً ومصلياً

۱:......واضح رہے کہ صحابیؓ کی متفقہ تعریف جو جمہور محدثین وفقہاء کے نزدیک معتبر ومستند ہے، وہ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ (متوفی:۸۵۲ھ) نے ذکر فرمائی ہے:

''وهو من لقي النبي صلى الله عليه وسلم مؤمنا به، ومات على الإسلام، ولو تخللت ردة في الأصح.'' (نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر،تعریف الصحابیؓ،ص:۱۴۰، ط:مطبعۃ سفیر، ریاض)

''صحابیؓ وہ ہے جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی حالت میں ملاقات ہوئی، اور اسلام پر اس کی وفات ہوئی ہو۔''

قریب قریب یہی تعریف امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ اور امام نوویؒ سے بھی منقول ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس نے ایک دفعہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بحالتِ اسلام کی ہو، اس پر صحابیؓ کا اطلاق ہوگا، چنانچہ خطیب بغدادیؒ (متوفی:۴۶۳ھ) نقل کرتے ہیں:

''سمعت أبا عبد الله أحمد بن حنبل قال: كل من صحبه سنة أو شهرا أو يوما أو ساعة أو رآه فهو من أصحابه، له من الصحبة على قدر ما صحبه ، وكانت سابقته معه، وسمع منه، ونظر إليه. قال محمد بن إسماعيل البخاري: ومن صحب النبي صلی اللہ علیہ وسلم أو رآه من المسلمين فهو من أصحابه.''

(الکفایۃ فی علم الروایۃ، باب القول فی معنی وصف الصحابیؓ، ج:۱،ص:۱۹۲، ط:مکتبۃ ابن عباسؓ)

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

''**اختلف في حد الصحابي، فالمعروف عند المحدثين أنه كل مسلم رأى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم.**'' (التقریب والتیسیر، النوع التاسع والثلاثون معرفۃ الصحابۃ، ص:۹۲، ط: دار الکتاب العربی)

''صحابیؓ کی تعریف میں اختلاف رہا ہے، لیکن محدثین کے نزدیک مشہور ومعروف (اور متفق علیہ) تعریف یہ ہے کہ: صحابی ہر وہ مسلمان ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں دیکھا ہو۔''

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

''**حدثني محمد بن عبيد الله المالكي، أنه قرأ على القاضي أبي بكر محمد بن الطيب، قال: ''لاخلاف بين أهل اللغة في أن القول صحابي مشتق من الصحبة، وأنه ليس بمشتق من قدر منها مخصوص، بل هو جار على كل من صحب غيره، قليلا كان أو كثيرا'' وكذلک يقال: صحبت فلانا حولا ودهرا وسنة وشهرا ويوما وساعة، ويوقع اسم المصاحبة بقليل ما يقع منها وكثيره، وذلک يوجب في حكم اللغة إجراء هذا على من صحب النبي صلی اللہ علیہ وسلم ولو ساعة من نهار.**''

(الکفایۃ فی علم الروایۃ، باب القول فی معنی وصف الصحابیؓ، ج:۱، ص:۱۹۳-۱۹۴، ط: مکتبۃ ابن عباسؓ)

تاہم حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۳ھ) فرماتے ہیں:

''**الصحابة لانعدهم إلا من أقام مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم سنة أو سنتين، وغزا معه غزوة أو غزوتين.**'' (الکفایۃ فی علم الروایۃ، باب القول فی معنی وصف الصحابیؓ، ج:۱، ص:۱۹۰-۱۹۱، ط: مکتبۃ ابن عباسؓ)

''صحابیؓ ہم اسی کو شمار کرتے ہیں جو سال، دو سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہوں، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک، دو غزوات میں شریک ہوئے ہوں۔''

خطیب بغدادیؒ نے حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرنے کے بعد ابن عمر واقدیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

''**رأيت أهل العلم يقولون: كل من رأى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وقد أدرک الحلم فأسلم وعقل أمر الدين ورضيه، فهو عندنا ممن صحب النبي صلی اللہ علیہ وسلم ولو ساعة من نهار، ولكن أصحابه على طبقاتهم وتقدمهم في الإسلام.**''

(الکفایۃ فی علم الروایۃ، باب القول فی معنی وصف الصحابیؓ، ج:۱، ص:۱۹۱، ط: مکتبۃ ابن عباسؓ)

''میں نے اہلِ علم سے سنا ہے کہ: جس نے بلوغت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور اسلام لے آیا اور اوامرِ دین کو سمجھا اور قبول کیا، وہ ہمارے نزدیک صحابی ہے، اگرچہ وہ ایک گھڑی کے لیے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا ہو، تاہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے درجات اور مراتب مختلف اور متفاوت ہیں۔''

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی گئی تعریف کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''**فإن صح عنه فضعيف، فإن مقتضاه أن لايعد جرير البجلي وشبهه صحابيا ولاخلاف أنهم صحابة.**'' (التقریب والتیسیر ،النوع التاسع والثلاثون معرفۃ الصحابۃؓ، ص:۹۲، ط: دارالکتاب العربی)

''اگر اس کی نسبت ابن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ تک درست بھی ہو، تب بھی یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ اس قول کی رو سے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر صحابہؓ (جو معمولی عرصے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے) صحابہؓ میں شمار نہیں ہوتے، حالانکہ ایسے صحابہؓ کے صحابہ ہونے پر اُمت کا اتفاق ہے۔''

خلاصہ یہ کہ جمہور علماء کی رائے کے موافق ہر اس مسلمان کو صحابی کہا جائے گا جو ایک گھڑی کے لیے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب ہوا ہو، اور حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدینؓ اور دوسرے صحابہؓ میں سے) کسی اور سے صحابی کی تعریف اور دیگر اصطلاحی مباحث کے متعلق کوئی بات منقول نہیں ہے، کیونکہ ان تعریفات اور اصطلاحی مباحث کی ضرورت اس وقت پڑی جب حدیث کی تدوین کا کام شروع ہوا اور مالک بن انسؒ فرماتے ہیں:

''سب سے پہلے حدیث کی تدوین کا کام ابن شہاب زہریؒ نے کیا۔''

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۲۵ھ میں ہوئی۔ شرح علل الترمذی میں ہے:

''**عن مالک بن أنس قال: أول من دون العلم ابن شهاب، يعني الزهري.**''

(شرح علل الترمذی، لابن رجب الحنبلی: کتاب الحدیث والتصنیف فیہ، ص:۳۴۲، ط: مکتبۃ المنار)

''تقریب التہذیب'' میں ہے:

''**محمد بن مسلم بن عبيدالله بن عبدالله ابن شهاب ... الزهري... مات سنة خمس وعشرين.**'' (تقریب التہذیب لابن حجرؒ، رقم: ۶۲۹۶، ص:۵۳۶، ط: دارالمنہاج)

بالفاظِ دیگر یہ اصطلاحات اور تعریفات قرونِ اولیٰ (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے) کے بعد کی وضع کردہ ہیں، قرونِ اولیٰ میں نہ ان کا وجود تھا اور نہ ان کی ضرورت تھی۔

۲:...... قرآن و حدیث میں جہاں جہاں صحابہ کرامؓ کا تذکرہ آیا ہے اور اس جماعت کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، وہاں تمام صحابہؓ بالعموم مراد ہیں، یعنی امت کے جمہور علماء کی رائے اور متفقہ فیصلے کی روشنی میں جو کوئی بھی صحابی کی تعریف میں داخل ہوتا ہے، وہ سب مراد ہیں، لہٰذا سوال میں مندرجہ نصوص میں تمام صحابہؓ بالعموم مراد ہیں، جیسا کہ خود نصوص کے الفاظ سے واضح ہے۔

تاہم جس طرح انبیاء علیہم السلام کے درجات اور مراتب میں فرق ہے اور مسلمانوں میں اعمال اور صفات کے لحاظ سے فرق ہے، اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم میں درجات کے لحاظ سے فرق ہے، چنانچہ چار

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا رتبہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بلند ہے۔ عشرہ مبشرہ (وہ دس صحابہ رضی اللہ عنہم جن کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نشست میں جنت کی خوشخبری دی ہے) کا مرتبہ ان کے علاوہ سے بڑھا ہوا ہے، جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے حبشہ اور مدینہ منورہ دونوں ہجرتیں کی تھیں، ان کو قرآن کریم میں سابقین اولین کہا گیا ہے، اور شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق: سابقین اولین وہ صحابہؓ ہیں جو بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔ اسی طرح جو صحابہ رضی اللہ عنہم جنگِ بدر میں شریک تھے، ان کے خصوصی فضائل احادیث میں وارد ہیں کہ اہلِ بدر کے لیے جنت واجب ہوچکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کی مغفرت فرمادی ہے۔

صلح حدیبیہ میں شریک ہونے والے صحابہؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم سے خلاصی کی بشارت سنائی، جن کی تعداد چودہ سوتھی، ان سب کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: ''آج تم لوگ ساری زمین والوں میں سب سے بہتر ہو۔'' اور جن صحابہؓ نے فتحِ مکہ سے پہلے اللہ کے راستے میں خرچ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قتال کیا، ان کا درجہ ان صحابہؓ سے بہت برتر و بالا ہے جو فتحِ مکہ کے بعد اسلام لائے اور یہ ناممکن ہے کہ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کیا ہو اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقابلہ کیا ہو وہ دونوں برابر اور ہم پلہ ہوجائیں!!!

خلاصہ یہ کہ صحابہؓ کے متعلق قرآن وحدیث کے تمام فضائل اگرچہ تمام صحابہؓ کو شامل ہیں، لیکن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مراتب کے فرق کی بنیاد پر نصوص میں مذکورہ فضائل اور اوصاف میں بھی تفاوت ہے۔ ابن عبد البر اندلسی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۴۶۳ھ) نقل فرماتے ہیں:

''قال اللّٰہ تعالٰی ذکرہٗ: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ (الفتح: ۲۹) الآية، فهٰذه صفة من بادر إلٰی تصديقه والإيمان به، وآزره ونصره (و لصق به) وصحبه، وليس كذٰلك جميع من رآه ولاجميع من آمن به، وسترى منازلهم من الدين والإيمان، وفضائل ذوي الفضل والتقدم منهم، فاللّٰه قد فضل بعض النبيين على بعض، وكذٰلك سائر المسلمين، والحمد لله رب العٰلمين، وقال عزّوجلّ: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبة: ۱۰۰) الآية. قال أبو عمر: أخبرنا ابن سيرين في قوله عزّوجلّ: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ (التوبة: ۱۰۰) قال: هم الذين صلوا القبلتين، وقال أحمد بن زهير: قلت لسعيد بن المسيب: مافرق بين المهاجرين الأولين والآخرين؟ قال: هم الذين صلوا القبلتين. و... عن الشعبي قال: هم الذين بايعوا بيعة الرضوان .... عن جابرؓ قال: جاء عبد لحاطب بن أبي بلتعة أحد بني

أسد يشتكي سيده ، فقال: يا رسول اللّٰه، ليدخلن حاطب النار. فقال له : كذبت لايدخلها أحد شهد بدرا أو الحديبية. قال أبوعمرؓ : قال اللّٰه سبحانه: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح:١٨) ومن رضي اللّٰه عنه لم يسخط عليه أبدا إن شاء اللّٰه، وقال رسول اللّٰه ﷺ: لن يلج النار أحد شهد بدرا أو الحديبية ...... عن أبي الزبير عن جابر بن عبد اللّٰه عن النبي ﷺ قال: لايدخل النار أحد ممن بايع تحت الشجرة ...... أخبرنا سفيان عن عمرو قال: سمعت جابر بن عبد اللّٰه يقول: كنا يوم الحديبية ألفا وأربعمائة، فقال لنا رسول اللّٰه ﷺ : أنتم اليوم خير أهل الأرض ...... عن علي قال: بعثني رسول اللّٰه ﷺ وأبا مرثد والزبير بن العوام، وكلنا فارس، قال: انطلقوا حتى تاتوا روضة خاخ، فذكر الحديث في قصة حاطب، حتى بلغ إلى قول رسول اللّٰه ﷺ: أليس من أهل بدر! إن اللّٰه قد اطلع على أهل بدر فقال: اعملوا ما شئتم، فقد وجبت لكم الجنة أو قد غفرت لكم. قال رسول اللّٰه ﷺ: إن أرأف أمتي بأمتي أبوبكر، وأقواها في أمر دين اللّٰه عمر، وأصدقها حياء عثمان، وأقضاها علي، وأقرؤها أبي، وأفرضها زيد، وأعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل، ولكل أمة أمين، وأمين هٰذه الأمة أبو عبيدة بن الجراح ، قال أبوعمرؓ فضل رسول اللّٰه ﷺ جماعة من أصحابه بفضائل خص كل واحد منهم بفضيلة وسمه بها، وذكره فيها وهٰذا من معنى قول اللّٰه تعالٰى : ﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ (٥٧: ١٠) ومحال أن يستوي من قاتله رسول اللّٰه ﷺ مع من قاتل عنه. وقال رسول اللّٰه ﷺ لبعض من لم يشهد بدرا. وقد رآه يمشى بين يدي أبي بكر تمشى بين يدي من هو خير منك؟ وهٰذا لأنه قد كان أعلمنا ذلك في الجملة لمن شهد بدرا والحديبية ولكل طبقة منهم منزلة معروفة وحال موصوفة.'' (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، مقدمۃ المؤلف، ج:۱،ص:۲-۱۸، ط: دار الجیل، بیروت)

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے صحابہؓ کو تکلیف پہنچائی، اس نے مجھے تکلیف پہنچائی، اس کی روشنی میں کسی بھی صحابی کو تکلیف پہنچانا نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچانے کے مترادف ہے، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تکلیف پہنچانا نبی کریم ﷺ کو اس قدر ناگوار گزرا کہ آپ ﷺ کا چہرے کا رنگ ہی تبدیل ہوگیا اور آپ نے شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ بخاری شریف میں ہے:

''عن أبي الدرداءؓ قال: كنت جالسا عند النبي ﷺ، إذ أقبل أبوبكر آخذاً بطرف ثوبه حتى أبدى عن ركبته، فقال النبي ﷺ: أما صاحبكم فقد غامر فسلم وقال: إني كان بيني وبين ابن الخطاب شيئ فأسرعت إليه ،ثم ندمت، فسألته أن يغفرلي

فأبى عليٌّ، فأقبلت إليك، فقال: "يغفر الله لك يا أبابكر" ثلاثا، ثم إن عمرؓ ندم، فأتى منزل أبي بكرؓ، فسأل: أثَمَّ أبوبكر؟ فقالوا: لا، فأتى إلى النبي صلى الله عليه وسلم فسلم، فجعل وجه النبي صلى الله عليه وسلم يتمعر، حتى أشفق أبوبكر، فجثا على ركبتيه، فقال: يا رسول الله، والله أنا كنت أظلم، مرتين، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "إن الله بعثني إليكم، فقلتم: كذبت، وقال أبوبكر: صدق وواساني بنفسه وماله، فهل أنتم تاركوا لي صاحبي" مرتين فما أوذي بعدها."

(کتاب المناقب، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ''لو كنت متخذا خليلا''، رقم: ۳۶۶۱، ج: ۵، ص: ۵، ط: دار طوق النجاۃ)

۳: ......واضح رہے کہ صحابہؓ ایسی جماعت ہے جس کی صداقت، دیانت اور پاکیزگی کی گواہی خود حق تعالیٰ شانہٗ نے دی ہے، اور ان کو اپنی رضا کا پروانہ کتاب اللہ میں عطا کیا ہے، اور اس جماعت کے ہر فرد سے بالعموم جنت کا وعدہ کیا ہے۔

اور بیسیوں احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے مختلف افراد کو جنت کی بشارتیں سنائی ہیں، اور بالعموم سب کو قابلِ اقتداء قرار دیا ہے، نیز اس جماعت کے ہر فرد سے محبت کو ایمان کی علامت بتلایا ہے، اور ان سے بغض رکھنے اور برا بھلا کہنے کی سخت ممانعت فرمائی ہے، اور ان سے بغض رکھنے کو براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے بغض رکھنے کے برابر قرار دیا ہے۔

اسی لیے اُمتِ مسلمہ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ صحابہؓ سب کے سب امانت، دیانت اور سچائی کے پیکر تھے، یہ امت کا سب سے بہترین طبقہ ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے لیے چنا تھا، اور خود قرآن میں ان کی تعریف فرمائی، ان کی نیک خصلتوں اور اچھی صفات کے تذکرے فرمائے ہیں اور ان کی کامیابی کا وعدہ فرمایا، نیز سرورِ کونین، صادق ومصدوق، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بھی ان کی سچائی اور دیانت پر مہرِ نبوی ثبت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ستائش اور تصدیق کے بعد اب اس طبقے کے معتبر اور معتمد ہونے کے لیے نہ کسی کی گواہی کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی کی تصدیق کی حاجت، لہٰذا یہ وہ طبقہ ہے جس سے اللہ راضی ہو چکا ہے، اور اگر ان میں سے کسی سے کوئی غلط عمل یا لغزش سرزد بھی ہوئی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما کر ان سب سے جنت کا وعدہ کرلیا ہے، لہٰذا ان کی کسی بھی غلطی یا لغزش کا تذکرہ بطورِ تنقیص، تحقیر یا تنقید قطعاً جائز نہیں ہے۔

اسی لیے صحابہؓ کے متعلق تمام علماء، محدثین، علماء جرح وتعدیل (یعنی محدثین کی وہ جماعت جو حدیث نقل کرنے والوں کو پرکھتے ہیں اور انتہائی باریک بینی سے ان کی جانچ پڑتال کرتے ہیں) اور فقہاء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ:

''الصحابةؓ كلهم عدول.''

ترجمہ: ''صحابہؓ سب کے سب عادل اور معتبر ہیں۔''

(فتح الباری لابن حجر، ج:۲،ص:۱۸۱، ط: دارالمعرفۃ۔ عمدۃ القاری للعینیؒ، ج:۱،ص:۱۵۸، ط: داراحیاء التراث العربی)

علامہ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۰۸ھ) فرماتے ہیں:

''للصحابة بأسرهم خصيصة وهي: أنه لايسأل عن عدالة أحد منهم، بل ذلک أمر مفروغ منه، لكونهم على الإطلاق معدلين بنصوص الكتاب والسنة وإجماع من يعتد به في الإجماع من الأمة ...... ثم إن الأمة مجمعة على تعديل جميع الصحابة ومن لابس الفتن منهم: فكذلک بإجماع العلماء الذين يعتد بهم في الإجماع إحسانا للظن بهم ونظرا إلى ما تمهد لهم من المآثر وكان الله سبحانه وتعالٰى أتاح الإجماع على ذٰلک لكونهم نقلة الشريعة. والله اعلم.''

(علوم الحدیث لابن الصلاح، النوع التاسع والثلاثون، معرفۃ الصحابۃؓ، ص:۲۹۴-۲۹۵، ط: دارالفکر)

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

''كل حديث اتصل إسنادهٗ بين من رواه وبين النبي لم يلزم العمل به إلا بعد ثبوت عدالة رجاله، ويجب النظر في أحوالهم، سوى الصحابي الذى رفعه إلى رسول الله ﷺ لأن عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم وإخباره عن طهارتهم، واختياره لهم في نص القرآن ..... في آيات يكثر إيرادها ويطول تعدادها، ووصف رسول الله ﷺ الصحابة مثل ذلک، وأطنب في تعظيمهم، وأحسن الثناء عليهم.''

(الکفایۃ فی علم الروایۃ، باب ما جاء فی تعدیل اللہ ورسولہ للصحابۃؓ، ج:۱،ص:۱۸۰-۱۸۱، ط: مکتبۃ ابن عباسؓ)

ابن عبدالبر اندلسی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

......هم صحابته الحواريون الذين وعوها وأدوها ناصحين محسنين، حتى كمل بما نقلوه الدين، وثبتت بهم حجة الله تعالٰى على المسلمين، فهم خير القرون، وخير أمة أخرجت للناس، ثبتت عدالة جميعهم بثناء الله عز وجل عليهم وثناء رسوله ﷺ ولا أعدل ممن ارتضاه الله لصحبة نبيه ونصرته، ولاتزكية أفضل من ذلک، ولاتعديل أكمل منه ...... عن زر بن حبيش، عن عبد الله بن مسعود، قال: "إن الله نظر في قلوب العباد فوجد قلب محمد ﷺ خير قلوب العباد فاصطفاه وبعثه برسالته، ثم نظر في قلوب العباد بعد قلب محمد ﷺ، فوجد قلوب أصحابه خير قلوب العباد، فجعلهم وزراء نبيه يقاتلون عن دينه.''

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، مقدمۃ المؤلف، ج:۱،ص:۱-۱۳، ط: دارالجبل، بیروت)

''منح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر'' میں ہے:

''(ولانذكر الصحابة) أي مجتمعين ومنفردين. (وفي نسخة: (ولانذكر أحدا من أصحاب رسول الله) إلا بخير. يعنى وإن صدر من بعضهم بعض ما هو في

الصورة شرّ، فإنه إما كان عن اجتهاد ولم يكن على وجه فساد من إصرار وعناد، بل كان رجوعهم عنه إلى خير معاد بناء على حسن الظن بهم، ولقوله عليه الصلاة والسلام: "خير القرون قرني"، ولقوله عليه الصلاة والسلام: "إذا ذكر أصحابي فأمسكوه"، ولذٰلک ذهب جمهور العلماء إلى أن الصحابة رضي اللّٰه عنهم كلهم عدول قبل فتنة عثمان وعلي وكذا بعدهما، ولقوله عليه الصلاة والسلام: "أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم" رواه الدارمي وابن عدي وغيرهما." (منح الروض الأزہر فی شرح الفقہ الاکبر، ملاعلی قاریؒ، ص:۲۰۹-۲۱۰، طبع: دار البشائر الاسلامیہ)

یعنی ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں سے کسی ایک کا بھی خیر کے سوا تذکرہ نہیں کرتے۔''

''المسامرة شرح المسايرة'' میں ہے:

'' (واعتقاد أهل السنة) والجماعة (تزكية جميع الصحابة) رضي اللّٰه عنهم وجوباً، بإثبات العدالة لكل منهم، والكف عن الطعن فيهم، (والثناء عليهم كما أثنى اللّٰه سبحانه وتعالٰى عليهم)." (المسامرة شرح المسايرة في العقائد المنجية في الآخرة، ص:۲۶۵-۲۶۶، ط: المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

یعنی صحابہ کرام علیہم الرضوان سے متعلق اہلِ سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ تمام صحابہؓ کو لازمی طور پر غیر مجروح قرار دیں، سب کو عادل مانیں اور تمام کے بارے میں زبانِ طعن سے احتراز کریں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اوصاف ومحامد کے مطابق تذکرۂ خیر ہی کریں۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اہلِ حق کے نزدیک صحابہؓ میں سے کسی کی تحقیر وتنقیص جائز نہیں، بلکہ تمام صحابہؓ کو عظمت ومحبت سے یاد کرنا لازم ہے، کیونکہ یہی اکابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان واسطہ ہیں، امام اعظمؒ اپنے رسالہ ''فقہ اکبر'' میں فرماتے ہیں:

''ولانذكر الصحابة رضي الله عنهم) وفي نسخة: (ولانذكر أحدا من أصحاب رسول اللّٰه) إلا بخير." (شرح فقہ اکبر، ملاعلی قاریؒ، ص:۸۵، طبع: مجتبائی ۱۳۴۸ھ)

ترجمہ: ''اور ہم صحابہ کرامؓ کو (اور ایک نسخہ میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں سے کسی کو) خیر کے سوا یاد نہیں کرتے۔''

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عقیدہ میں فرماتے ہیں:

''ونحب أصحاب رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم، ولانفرط في حب أحد منهم، ولانتبرأ من أحد منهم، ونبغض من يبغضهم، وبغير الخير يذكرهم، ولانذكرهم إلا بخير، وحبهم دين وإيمان وإحسان، وبغضهم كفر ونفاق وطغيان." (عقیدۃ الطحاوی،

ص:٦٦، طبع: ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ)

ترجمہ: ''اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے ہیں، ان میں سے کسی کی محبت میں افراط وتفریط نہیں کرتے اور نہ کسی سے براءت کا اظہار کرتے ہیں، اور ہم ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو اُن میں سے کسی سے بغض رکھے یا ان کو ناروا الفاظ سے یاد کرے۔ ان سے محبت رکھنا دین وایمان اور احسان ہے، اور ان سے بغض رکھنا کفر ونفاق اور طغیان ہے۔''

امام ابوزرعہ عبید اللہ بن عبد الکریم الرازی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۶۴ھ) کا یہ ارشاد بہت سے اکابر نے نقل کیا ہے کہ:

''إذا رأيت الرجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم أنه زنديق، وذلک أن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم عندنا حق، والقرآن حق، وإنما أدى إلينا هذا القرآن والسنن أصحاب رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم وإنما يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم أولٰى وهم زنادقة.'' (مقدمہ ''العواصم من القواصم''ص:۳۴)

ترجمہ: ''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نزدیک حق ہیں اور قرآن کریم حق ہے اور قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی نے پہنچائے ہیں، یہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جرح کرکے ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں، تاکہ کتاب وسنت کو باطل کردیں، حالانکہ یہ لوگ خود جرح کے مستحق ہیں، کیونکہ وہ خود زندیق ہیں۔''

......جس طرح کسی ایک نبی کی تکذیب پوری جماعت انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب ہے، کیونکہ دراصل یہ وحیِ الٰہی کی تکذیب ہے۔ ٹھیک اسی طرح کسی ایک خلیفہ راشد کی تنقیص خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت کی تنقیص ہے، کیونکہ یہ دراصل خلافتِ نبوت کی تنقیص ہے۔ اسی طرح جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی تنقیص وتحقیر پوری جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی تنقیص ہے، کیونکہ یہ دراصل صحبتِ نبوت کی تنقیص ہے۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللّٰه اللّٰه في أصحابي، لا تتخذوهم غرضا بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم.'' (ترمذی، ج:۲، ص:۲۲۶)

ترجمہ: ''میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ سے ڈرو! ان کو میرے بعد ہدفِ ملامت نہ بنالینا، پس جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔''

خلاصہ یہ کہ ایک مسلمان کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت رکھنا اور انہیں خیر کے ساتھ یاد کرنا لازم ہے، خصوصاً حضرات خلفائے راشدینؓ، جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نیابتِ نبوت کا منصب حاصل ہوا۔ اسی طرح وہ صحابہ کرامؓ جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں محبّ ومحبوب ہونا ثابت ہے، ان سے محبت رکھنا حبِ نبوی کی علامت ہے۔ اس لیے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اس کو دین وایمان اور احسان سے تعبیر فرماتے ہیں اور ان کی تنقیص وتحقیر کو کفر ونفاق اور طغیان قرار دیتے ہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، صحابہؓ وصحابیاتؓ، ازواج مطہراتؓ اور صاحبزادیاںؓ، ج:۱،ص:۳۴۱-۳۴۴، مکتبہ لدھیانوی، کراچی)

نیز ایک دوسرے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایت میں بھی عادل ہیں اور اپنے اعمال میں بھی۔ ان سے اگر کوئی لغزش ہوئی تو یا تو اجتہادی خطا ہے، جس پر وہ ماجور ہیں، یا اگر کبھی گناہ ہوا، تو انہوں نے اس سے فوراً توبہ کرلی، اور ایسا گناہ جس کے بعد فوراً توبہ کرلی جائے عدالت کے منافی نہیں۔ بہرحال ان کی تقلید کا اور ان پر تنقید نہ کرنے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے۔ جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرتے ہیں، وہ اہل سنت سے نہیں ہیں۔''

(آپ کے مسائل اور ان کا حل، ''تمام صحابہؓ عادل ہیں'' کا مطلب، ج:۱،ص:۳۹۵، مکتبہ لدھیانوی)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد انعام الحق	محمد حذیفہ رفیق
الجواب صحیح	الجواب صحیح	متخصصِ فقہِ اسلامی
محمد داؤد	رفیق احمد	جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

القلم کمپوزنگ سینٹر
عربی سے اردو ترجمہ بھی کیا جاتا ہے
رابطہ نمبر: 0313-1202667
مندرجہ ذیل کاموں کے لیے رابطہ کریں:
1 کتابوں کی پروف ریڈنگ اور تصحیح
2 معیاری اردو اور عربی کمپوزنگ
3 کتابوں کی ترتیب اور سیٹنگ

نَقدُ و نظَر

ادارہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ

تالیف: مولانا عرفان الحق حقانی۔ صفحات: ۴۱۶۔ قیمت: درج نہیں۔ ملنے کا پتہ: مؤتمر المصنفین جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، خیبر پختون خوا۔

زیرِ تبصرہ کتاب حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ وسوانح پر مشتمل ہے۔ حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ کے تلمیذ ومسترشد، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم واُستاذِ حدیث، جمعیت علمائے اسلام (س) کے امیر، سابق رکن قومی اسمبلی وسینیٹ، ہزاروں فضلائے حقانیہ ومجاہدینِ افغانستان کے محبوب استاذ، مربی وسرپرست تھے۔ آپ نے ۲۳؍ صفر ۱۴۴۰ھ مطابق ۲؍ نومبر ۲۰۱۸ء بروز جمعہ راولپنڈی میں سفاک دہشت گردوں کے ہاتھوں شہادت کی خلعتِ فاخرہ زیبِ تن کی تھی۔ آپؒ ہمارے ان اکابر میں سے تھے، جن کی ساری زندگی محنتوں، مجاہدوں اور اعلائے کلمۃ اللہ کی کوششوں میں گزری ہے۔ اشاعتِ دین کا کوئی ایسا کام اور ایسا راستہ نہیں جو آپ نے اختیار نہ کیا ہو۔ درس وتدریس، جہاد، تحریکات، ادب وتاریخ، تصوف، دینی، قومی، ملی اور سیاسی ہر موضوع پر آپ کی وسیع اور روشن خدمات ہیں۔

مولانا عرفان الحق حقانی صاحب - جو حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے، داماد اور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے استاذ ہیں - نے حضرت شہیدؒ کی سوانحِ حیات مرتب کی ہے، جس میں حضرت شہیدؒ کی زندگی کے مختلف گوشوں اور ہمہ جہت خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔

یہ کتاب ''عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة '' کا مصداق اور ایک تاریخی دستاویز ہے۔ حضرت شہیدؒ کی زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین اس مشعل سے راہنمائی پائیں گے۔ کتاب کا کاغذ اور طباعت وغیرہ عمدہ ہے۔

آؤ! معرفت پائیں

ابنِ صدیق۔ صفحات: ۳۳۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: الخلیل پبلشنگ ہاؤس، راولپنڈی۔

زیرِ تبصرہ کتاب ''آؤ! معرفت پائیں'' میں قرآن کریم کی آیات پر عنوان قائم کرکے ان کا ترجمہ اور تشریح کی گئی ہے، اسی طرح ''اسماء الحسنیٰ'' میں سے بھی ہر ہر اسم کی تشریح کی گئی ہے۔ کتاب کو بارہ عنوانات پر تقسیم کیا گیا ہے:

۱:- حیاۃِ طیبہ، ۲:- قرآن مجید، اسماء الحسنٰی، ۳:- قصص القرآن، ۴:- حدیث حجت ہے، ۵:- گناہ کے نقصانات، ۶:- گناہ کے نقصانات دنیا میں، ۷:- گناہ کے نقصانات آخرت میں، ۸:- تشخصِ اقوام کے اُصول، ۹:- مثنوی سے استفادہ، ۱۰:- مسلمان کا مقام اور کام، ۱۱:- اللہ تعالیٰ ہمارا مقصد ہے۔

کتاب کی جلد بندی، طباعت اور کاغذ عمدہ ہے۔ بہرحال اس کتاب کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں۔

.....❁.....❁.....❁....